ISSN 2079-8563

سائنس نمبر

شمارہ: ۳۳-۳۴







معارفِ رضا

۱۴۳۴-۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۳-۲۰۱۴ء

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

Raza Research Institute

www.imamahmadraza.net

سالنامہ معارفِ رضا
جلد ۳۴/۳۳ (۲۰۱۳ء-۲۰۱۴ء)

مشمولات

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل

اپنی بات

سید وجاہت رسول قادری
صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

سَلَامُ اللّٰہِ مَا کَرَّا للَّیَالِی
عَلٰی مَلَکِ الْمَکَارِمِ وَالْمَعَالِی

امام احمد رضا حنفی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی نابغۂ روزگار شخصیت اس دور میں سیّدِ عالم نورِ مجسّم صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے اُسوۂ حَسَنَہ کا آئینہ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علوم کا زندۂ جاوید معجزہ ہے۔

عالَمِ اسلام میں ایسی فاضل شخصیات کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم و عقل و بصیرت سے تمام حلقۂ عالم کو مستفیض و متحیّر نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر ابنِ سینا، عمر خیّام، امام رازی، امام ابنِ عربی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابنِ رشد وغیرہ۔ بلاشبہ یہ وہ نادرِ روزگار شخصیات ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جاتا رہے گا۔ ان میں کوئی فلسفۂ حکمت کا امام ہے، کوئی ریاضی و ہیئت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا، کوئی فلسفۂ تصوف کا، کوئی فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہند میں تیرھویں صدی ہجری میں پیدا ہوئی اور چودھویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں اس نے دنیائے آب و گِل کو

الوداع کہا۔ امام احمد رضا حنفی قادری (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۰ء) قُدِّسَ اللہ العزیز کی شخصیت ایسی پہلو دار، طرح دار، نابغۂ روزگار جامع العلوم، مانندِ ہشت پہلو ہیرا ہے کہ اس کے کسی پہلو اور رخ پر سیر حاصل بحث کے لیے اس فن کا ماہر ہی اہل ہو سکتا۔

اَعْلَمِ کائنات، عَقلِ کائنات، مُعلّمِ کائنات، شاہد کون و مکان ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے علم و حکمت اور علوم نافع کے جو گوہر نایابِ اور جواہر پارے آپ کو عطا ہوئے اس کی اصل قدر و قیمت، اصل چمک دمک اور جوہر حسن و جمال جہاں صاحبِ بصیرت، حاملِ علم و حکمت کے دیدۂ دِل کو پرنور کرتی ہے، وہیں اندھے دلوں، بغض و حسد کی آتش میں جلتے قلوب کو متحیّر و بے نور بھی کر دیتی ہے۔ جن صاحبانِ علم و نظر نے آپ کے فتاویٰ اور دیگر علمی تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، جن میں عالمِ اسلام کے جید علماء، جامعات اور کالجوں کے اساتذۂ فن، محکمۂ قُضاۃ کے قاضی القُضات اور جج صاحبان، طب و حکمت کے ماہرینِ فن، میدانِ سیاست کے شہسوار، شعر و ادب کی دنیا سے تعلق رکھنے والے صفِ اوّل کے شعراء و ادباء وغیر ہم سب شامل ہیں، ان سب کی متفقہ رائے ہے کہ امام ہمام علیہ الرحمۃ اپنے دور کے تمام مروجہ علوم نقلیہ (علوم اسلامی) علومِ عقلیہ (ریاضیات و فلسفہ و منطق، الجبراء، اوقلیدس) علوم علمیہ (سائنسی علوم کیمیاء، طبعیات، ارضیات) ہیئات، جفر، فلکیات وغیر ہم بیسیوں علومِ عقلیہ پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ آپکے مجموعہ فتاویٰ مسنون بہ "اَلْعُطَایَا النَّبَوِیه فِی فَتَاوٰی الرَّضَوِیّه" (جدید) کی ۳۰ جلدیں اس پر شاہد عادل ہیں کیونکہ عطائے الٰہی وَرَسُولِہِ الکریم صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے آپ کو حاصل شدہ ہر علم و فن کے نمونے اس میں ملتے ہیں۔

دورِ جدید کے نامور دانشور و محققین نے امام احمد رضا کے فتاویٰ اور دیگر تصانیف کے مطالعہ کے بعد آپ کی عبقریت اور علوم اسلامی کے علاوہ سائنسی علوم میں بھی آپ کی مہارت تامہ کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ یہ موضوع خود ایک طویل مقالہ کا متقاضی ہے لیکن یہاں مشتے از خروارے تین نامور اہلِ علم و فن کے مختصر تاثرات پیش کیے جا رہے ہیں:

پاکستان کے معروف محقق، دانشور اور سیاست داں علامہ کوثر نیازی کو جب ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف سے فتاویٰ رضویہ کی مجلدات اور بعض علوم عقلیہ وعلمیہ پر آپ کی تحقیقی نگارشات پیش کی گئیں تو ان کے مطالعہ کے بعد بے اختیار بول اٹھے:

"دس ہزار سے زیادہ کتابیں (عربی، فارسی، اردو، انگریزی مختلف موضوعات پر) میرے مطالعے سے گذری ہیں، مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا اور علم کا سمندر پار کر لیا، لیکن جب امام اہل سنّت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے در پر دستک دی اور فیضیاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا، یوں لگا کہ ابھی تو علم کے سمندر کے کنارے پر کھڑے سیپیاں چن رہا تھا، علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔۔۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقیناً آپ سرکارِ دوعالم ﷺ کے صحیح جانشیں (اور ان کے معجزوں میں سے ایک معجزہ) تھے جس سے ایک عالم فیضیاب ہوا۔"

(ملخص از مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ء، ص ۴۹۔۵۰)

ایک اور معروف اسکالر، بین الاقوامی سطح کے دانشور، ماہر تعلیم، ماہر طب حکیم محمد سعید صاحب بانی ہمدرد مدینۃ الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی، کراچی، پاکستان) کے تاثرات بھی ملاحظہ ہوں:

"گذشتہ نصف صدی میں طبقۂ علماء میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئیں، ان میں مولانا احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ علیہ) کا مقام بہت ممتاز ہے۔ ان کی علمی، دینی اور ملّی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، تفقہ اور دینی علوم میں فاضل بریلوی کی مہارت کے ساتھ ہی ساتھ سائنس اور طب کے علوم میں بھی ان کی بصیرت علماء سلف کے اس ذہن وفکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی اور دنیوی علوم کی تفریق نہ تھی، ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصر حاضر کے علماء اور دانش گاہوں کے معلمین دونوں کو دعوتِ فکر ومطالعہ دیتا ہے۔ ان کی تصانیف ہمارے لیے پیش بہا ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے تحقیقی مطالعہ سے علوم وفنون کے بہت سے گوشے سامنے آچکے ہیں۔"

(پیغام مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۸ء، ص ۱۵)

واضح ہو کہ امام احمد رضا جۃ اللہ علیہ اسی علمی مہارت سے متاثر ہو کر حکیم سعید صاحب نے امام احمد رضا کی طبی بصیرت (میڈیکل سائنس میں ان مہارتِ تامّہ پر ایک جامع مقالہ تحریر کیا تھا جو معارفِ رضا سالنامہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا پھر برصغیر پاک و ہند کے متعدد رسائل میں بھی شائع ہوا۔

پاکستان کے نہایت قابل اور مقتدر اور بین الاقوامی شہرت کے معروف سائنسداں فخرِ پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء کے ایک پیغام میں امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ العزیز کی عبقریت اور سائنسی علوم پر ان کی دسترس کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

"(ایک) پر آشوب دور میں اللہ ربّ العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت سے نوازا کہ جس کی تصانیف، تعلیقات اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب برپا کر دیا۔ امام صاحب کی شخصیت جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے لبریز تھی آپ کی ساری زندگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی ذات نبی کریم ﷺ سے وفا شعاری کا نشانِ مجسّم تھی۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم پہلو سائنس سے شناسائی بھی ہے سورج کو حرکت پذیر اور محوِ گردش ثابت کرنے کے ضمن میں آپ کے دلائل بڑی اہمیت کے حامل ہیں"

(مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء، ص ۲۱)

نظریۂ حرکتِ زمین سائنس کا ایک ایسا متنازع نظریہ ہے جس پر خود جدید علمائے سائنس میں اختلاف ہے۔ متعدد سائنسداں ایسے ہیں جنہوں نے سکونِ زمین کا نظریہ پیش کیا ہے، جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب کا اسی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تین اہم رسالے ملتے ہیں:

(۱)۔ فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین۔

(۲)۔ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان۔

(۳)۔ معینِ مبین بہرِ دورِ شمس و سکونِ زمین۔

قرآن وحدیث کے دلائل کے علاوہ امام احمد رضا نے ۱۰۵ عقلی دلائل سے زمین کا ساکن ہونا ثابت کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایک ہم عصر ممتاز امریکی سائنسداں پروفیسر البرٹ، ایف پورٹا نے اکتوبر ۱۹۱۹ء میں ایک ہولناک پیشن گوئی کی کہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے اجتماعِ سیارگان کی کشش کے سبب آفتاب میں ایک گھاؤ نمودار ہوگا جس کے نتیجہ میں قیامت صغرا برپا ہوگی، نظامِ کائنات الٹ پلٹ ہو جائے گا، پوری دنیا میں زلزلے، شدید طوفان آئیں گے جن کی بناء پر بڑی تباہی ہوگی زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی، دنیا کے بہت سے علاقے ڈوب جائیں گے اور بعض صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے اس وقت کے سائنسدانوں نے البرٹ پورٹا کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے اس کی تائید کی اور اپنے اپنے ملکوں میں احتیاطی تدابیر اور حفاظتی اقدامات کرنے کا مشورہ دیا۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یہ خبر بانکی پور، پٹنہ، بہار، بھارت کے ایک انگریزی اخبار ایکسپریس میں شائع ہوئی تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا، کسی نے اس سلسلے میں اخبار ایکسپریس کا تراشہ بھیج کر بحیثیت ممتاز مسلم سائنسداں، ہیئت داں اور منجم آپ سے جواب کے لیے رجوع کیا۔ آپ نے اس کے رد میں ایک تحقیقی سائنسی مقالہ بعنوان "معینِ مبین بہر دورِ شمس وسکون زمین" (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) تحریر فرمایا، آپ نے البرٹ پورٹا کی تحقیق پر ۱۷ر دسمبر کے حوالے سے ۱۷ر مواخذات قائم کیے اور سائنسی دلائل سے اس کی تحقیق کو باطل قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ کسی بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک لفظ نہیں آتا، سراپا اغلاط سے مملو ہے۔ قرآنِ حکیم اور احادیث مبارکہ اور سائنسی دلائل پیش فرمانے کے علاوہ آپ نے ماضی وحال کے متعدد سائنسدانوں اور ماہرین نجوم مثلاً شیز نامی ایک عیسائی راہب، علامہ قطب الدین شیرازی، ابن ماجہ اندلسی، ہرشل یکم، ہرشل دوم، نسمٹ، کوسکی، راجر لانک وغیرہ کے مشاہدات وتجربات کا ذکر کیا ہے۔ پھر ماضی وحال کے تجربات ومشاہدات اور اپنے نتائج کی روشنی پروفیسر البرٹ کی پیش گوئی کو قطعاً رد فرمادیا۔

اللہ عزوجل کی شان اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کا اپنے عاشق پر کرم خاص کہ وقتِ مقررہ (۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء) البرٹ کی پیشن گوئی باطل ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو کچھ کہا تھا حق ثابت ہوا۔ اس واقعہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ پروفیسر البرٹ اور اس کے موئید جیّد مغربی سائنسدان اعلیٰ ترین سائنسی آلات سے لیس تھے اور اس وقت کی جدید سائنسی لیبارٹیز، تجربہ گاہوں اور رصد گاہوں میں بیٹھے اپنے مشاہدات اور تجربات سے نتائج اخذ کر رہے تھے، جبکہ بریلی، ہند میں اپنے حجرہ میں بیٹھا اللہ کا ایک مقرب اور سید عالم ﷺ کا ایک عاشقِ صادق، اللہ خالق ومالک کے حضور تمجید وثنا کرنے اور اپنے آقا ومولیٰ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کے ساتھ قرآنِ حکیم کے حکم کے عین مطابق اس کی آیات پر غور وفکر میں مشغول تھا۔ بارگاہِ نبوی علیہ التحیۃ والثناء سے عطا شدہ علم وکشفِ روحانی اور مشاہدۂ حق کی بنیاد پر وہ عالمی سائنسدانوں سے نہ صرف نبرد آزما تھا۔ بلکہ ان کے باطل نظریات کے ردِّ بلیغ فرما کر ان کے تار و پور بکھیر رہا تھا۔ فتاویٰ رضویہ (قدیم ۱۲، مجلدات، جدید، ۳۰ مجلدات) امام احمد رضا کے علوم و معارف کا ایک کہکشاں ہے۔ علوم اسلامی کے علاوہ سو (۱۰۰) سے زیادہ سائنسی علوم مثلاً طبعیات، کیمیاء، فلکیات، ارضیات، طب، جغرافیہ اور اس کے دیگر معاون علوم مثلاً ریاضیات ہندسہ، لوگار تھم، فلسفہ، منطق، ریجات، الجبرا، اوقلیدس وغیرہ پر ان کی علمی وسعت اور مہارت تامّہ اہلِ علم وفن کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ نے مذکورہ علوم میں جو تحقیقاتِ پیش کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱)۔ آواز کیا چیز ہے؟

(۲)۔ کیوں کر پیدا ہوتی ہے؟

(۳)۔ کیوں کر سننے میں آتی ہے؟

(۴)۔ اپنے ذریعہ حدوث کے بعد باقی رہتی ہے، یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے؟

(۵)۔ کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے؟

(۶)۔ آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے؟ وہ اس کی صفت ہے یا کسی اور چیز کی؟

(۷)۔ اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(آپ کے رسالہ "البیان شافیا لفونو غرافیا (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء)

یہ اور دیگر ابحاث بھی شامل ہیں بظاہر تو اس کا موضوع فقہی ہے، مگر سچ پوچھیے تو سائنسی معلومات کا مرقع ہے۔ یہ سارے مباحث طبعیات (Physics) کے ہیں۔

(۸)۔ پانی میں رنگ ہے یا نہیں؟ پانی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۹)۔ پانی کا رنگ سفید ہے یا سیاہ؟

(۱۰)۔ پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟

(۱۱)۔ موم، شیشہ، بلور پسنے سے سفید کیوں ہو جاتے ہیں؟

(۱۲)۔ شعاع کی جنس کیا ہے؟ شعاعیں جتنے زاویوں پر جاتی ہیں اتنے ہی زاویوں پر کیوں پلٹتی ہیں؟ انعکاسِ نور اور انعطافِ نور کیا؟

(۱۳)۔ آئینہ میں داہنی جانب کی اشیاء بائیں طرف، بائیں جانب والی داہنی طرف کیوں نظر آتی ہیں؟

(۱۴)۔ آئینہ میں اپنی صورت کے علاوہ پیٹھ پیچھے چیزیں کس طرح نظر آتی ہیں؟

(۱۵)۔ آئینہ میں دراز پڑ جائے تو وہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے؟

(۱۶)۔ جنسِ زمین (مٹی) سے تعلق رکھنے والی کتنی اشیاء ہیں اور ان کی درجہ بندی کیا ہے؟ پتھر کی اقسام کیا ہیں؟ اور یہ کس طرح بنتے ہیں؟

(۱۷)۔ سمندر میں پائے جانے والے پتھر کیا ہیں؟ شجرِ حجر اور حجرِ شجر میں کیا فرق ہے؟

(۱۸)۔ رنگتیں تاریکی میں بھی موجود رہتی ہیں؟

(۱۹)۔ کان کی ہر چیز گندھک (نر) اور پارہ (مادہ) سے متولد ہیں۔

(۲۰)۔ پارہ آگ پہ کیوں نہیں ٹھہرتا؟

(۲۱)۔ معدنیات میں چار اقسام ناقص الترکیب ہیں۔

(۲۲)۔ احتراق کی چار صورتیں ہیں۔

(۲۳)۔ انعکاس وانعطاف کی بنیاد الٹرا ساؤنڈ مشین کا نظریہ۔
(۲۴)۔ سراب کی جدید سائنسی انداز میں اور کلی داخلی انعکاس کے حوالے سے تشریح۔
ان کے علاوہ مزید سائنسی نظریات پر نقد و نظر امام ہمام کی کتب اور فتاویٰ میں بکھرے پڑے ہیں۔
راقم نے آج سے تقریباً دس (۱۰) برس قبل ہندوستان کی نہایت معروف علمی اور قد آور شخصیت حضرت علامہ مولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی مد ظلہ العالی کا ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان'' پر ایک مقدمہ پڑھا تھا۔ اس کا ابتدائیہ نہایت متاثر کن تھا۔ اس میں فکرِ رضا پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے تشویق بھی ہے تہدید بھی۔ اس سے احقر کے دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی کہ علامہ موصوف نے امام ہمام کے علمی فتوحات کے جن گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو ابھی تک با قاعدہ منظم اور مربوط طور پر حیطۂ تحریر و تحقیق ہی نہیں آئے ان پر ایسے خصوصی سیمنار اور کانفرنسیں ہونی چاہئیں کہ جس میں ایک ہی موضوع پر محققین حضرات اپنے تحقیقی مقالہ جات پیش کریں اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹر نیشنل، کراچی) ان کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ ''معارفِ رضا سالنامہ'' میں شائع کرے حضرت علامہ مصباحی کے مقدمہ کا وہ ابتدائیہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''فکر رضا سے متاثر ہونے والوں کے لیے یہ بات بڑی مسرت افزا اور قلبی طمانیت کی باعث ہے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی دینی وملی اور علمی وفکری خدمات کا دائرہ بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ عالمی جامعات میں ان کے علمی وفکری کارناموں پر ہونے والی تحقیق وریسرچ کے اعداد و شمار سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ سازوں نے جس نادر روز گار شخصیت کو گمنامی کے اندھیرے میں چھپانے کی سعی لاحاصل کی تھی وہ واقعی لاحاصل رہی۔

اپنوں کی بے اعتنائی سے بھی ہمارا وہ عظیم محسن ایک عرصہ تک پردہ خفا میں رہا۔ آج بھی جب ایک ہمہ جہت تجزیہ نگار مجدد موصوف کی علمی وفکری خدمات کا منصفانہ جائزہ لیتا ہے تو باوجود اس کے کہ اب ان کے علمی کارناموں کی گونج پورے عالم اسلام میں محسوس کی جارہی ہے اور اہلِ علم ان کی تحقیقات وتدقیقات کے جواہر پاروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اب بھی اس کمی کا شدت سے احساس کرنا ہے کہ محض

بعض ہی علوم وفنون سے متعلق ان کی خدمات پر کام ہو رہا ہے جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا دو چار اور دس علوم ہی کے ماہر نہ تھے بلکہ تقریباً پچاس علوم وفنون میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی بلکہ ہر فن کے وہ مسلم الثبوت امام تھے۔ دینیات وفقہیات اور فکری ابحاث و نظریات میں تو وہ یکتائے روزگار تھے۔ لیکن کیا علم اقلیدس، ریاضی وہندسہ، ہیئت وتوقیت وزیجات، جفر و تکسیر، جبر ومقابلہ، مثلث ارثما طیقی، لوگارثم جیسے علوم وفنون میں ان کی مہارت کے جلووں اور تحقیق و تدقیق کے نمونوں کا عکس جمیل پیش کیا گیا؟ جزوی وانفرادی طور پر گو کہ کچھ کام ہوا ہے مگر وہ فکر رضا کے پھیلے ہوئے افادات کا عشر عشیر بھی نہیں۔

مجدد اعظم قدس سرہٗ کی گراں قدر خدمات کے ان گوشوں سے اگر ہم یوں ہی صرف نظر کرتے رہے تو آنے والی نسل ہمیں معاف نہ کرے گی۔ ان فن پاروں کو آثار قدیمہ کے خانے میں رکھ کر چھوڑا نہیں جاسکتا بلکہ ضرورت ہے کہ ان کی علمی امانتوں کو سینوں میں محفوظ کیا جائے اور قرطاس و قلم کے توسط سے اسکی حفاظت کی جائے۔"

اسی طرح ملک پور، بہار، ہند کے سائنس کے ایک نامور انتہائی سلیم الطبع، ذہین اور طباع استاد محترم حسن امام زید علمہٗ ایم۔اس، سی۔ بی ایل، بی ایڈ فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا کی علوم سائنس، کیمیا، طبیعات، علم ارضیات، مادیات، فلکیات اور علم ریاضی وہندسہ پر محیر العقول گرفت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں، واضح رہے موصوف کا تعلق خود شعبہ سائنس سے ہے، سائنسی علوم کا گہرا مطالعہ بھی ہے اور انہی علوم کا درس بھی دیتے ہیں۔ اس لیے انہیں امام احمد رضا کی سائنسی علوم پر گرفت اور ان پر امام کے وسیع مطالعہ کی گہرائی وگیرائی کا صحیح اندازہ بہتر انداز میں ہوسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"راقم الحروف کے پاس مذہبی علوم کا فقدان ہے۔ ماڈیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف "کتاب الطہارت" (فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل کا پہلا حصہ اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے) سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا

علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں، علم ارضیات، مادیات (کیمیا/ طبعیات)، فلکیات علم ریاضی وہندسہ
(وغیرہ) کے اتھاہ سمندر ہیں"۔

آگے چل کر موصوف علم کیمیاء وطبعیات پر امام احمد رضا کی حیران کن دسترس کا تذکرہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا کا علم ریاضی وہندسہ میں بلند مقام تو استفتا کے اس جواب سے ظاہر ہے جس میں
دریافت کیا گیا تھا کہ کوئیں کو پاک رکھنے کے لیے دہ دردہ کی کتنی صورتیں ہیں۔ (امام نے اس فتوے میں
علم ریاضی، ہندسہ الجبرا، لوگارتھم کے فارمولوں کو اس چابکدستی اور مہارت سے استعمال کیا ہے کہ
ریاضی داں حیران ہیں) اسی طرح مذکورہ کتاب (فتاویٰ رضویہ) کے باب تیمم میں آپ نے جنس ارض اور
آگ کا تذکرہ اور ۱۸۰ر چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر ۱۳۰ر چیزوں کے نام جن پر تیمم
جائز نہیں اس تفصیل اور وضاحت کے مدلّل بیان کیے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے
جنسِ ارضی کی تجدید وتقدیر کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے اور اس کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقام اول
تجدید جنسِ ارض کے لیے مخصوص فرمایا ہے، اس کے تحت پانچ الفاظ (اصطلاحات) کا تذکرہ فرمایا ہے:
(۱)۔ احتراق (۲)۔ ترمّد۔ (۳)۔ لَین۔ (۴)۔ ذوبان۔ (۵)۔ اِنطباع، پھر ان الفاظِ خمسہ کے معنی
اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ اہلِ علم کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں
بھی امام احمد رضا کو کیسا کمال اور ید طولیٰ حاصل تھا۔۔۔ صاحبِ علم وفکر حضرات سے گذارش کروں گا
مذکورہ صفحہ ۶۶۸ سے آخر تک مطالعہ فرمائیں بلکہ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس مبحث کو پورے طور پر مطالعہ کیا
جاتا جس کا نام "جس التَّعَمُّمَ لِبَیَانِ حَدِّ التَّیَمُّم" ہے۔

اس ضمن میں علم کیمیا سے شغف رکھنے والے حضرات سے میرا یہ عرض کرنا بے جانہ ہوگا
Combustion Roasting نیز Metalhirgy وغیرہ کے سلسلے میں احتراق اور اس سے متعلقہ مذکورہ بالا الفاظ کی
تفصیل بے حد معاون ہے۔ صرف معاون ہی نہیں بلکہ اس سے نئی راہ بھی کھلے گی جو Cumbustion کے
متعلق مزید معلومات فراہم کریگی۔ میرے خیال سے آگ اور آگ کا مادّے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں

آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے اگر اسے آپ نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں، کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے اسے اور اس قسم کے نسخۂ کیمیا کو Basis بنا کر اگر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیاء فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گا۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر چیز گندھک اور پارہ کے نکاح کی اولاد ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔ یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لیے دعوت فکر ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں انوارِ رضا، ضیاءالقرآن پبلیکیشنز، لاہور، ص ۳۱۵۔ ۳۲۳)

امام احمد رضا کی مجمع العلوم (Hrlistic) شخصیت، ان کے علمی اور سائنسی نظریات اور ان علوم پر ان کی محیر العقول دسترس کی طرف اہلِ علم و فن کو متوجہ کرنے اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان کے سائنسی نظریات و نگارشات پر جدید جامعات کے ریسرچ اسکالرز اور ماہرین فن کو ایم فل اور پی، ایچ، ڈی کے مقالات لکھنے کی ترغیب دینے کے لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب ہر سال امام احمد کانفرنس کے موقع پر یک موضوعاتی سیمینار منعقد کیا جائے جس میں عقلی اور سائنسی علوم کے جدید اسکالرز اور شعبہ سے تعلق رکھنے والے اساتذہ موضوع کی مناسبت سے اپنے مقالات پڑھیں گے۔ اور سالنامہ معارفِ رضا بھی یک موضوعاتی مقالات پر مشتمل ہوگا۔ اسی سال ۲۰۱۴ء سے ہم نے اللہ کا نام لے کر یہ علمی پیش رفت کی ہے۔ اس بار امام احمد رضا (۲۰۱۴ء) کانفرنس کا یک موضوعاتی عنوان ہے:

"امام احمد رضا حنفی کا جدید تعلیمی فلسفہ اور عصر حاضر میں اس کا اطلاق" زیر نظر سالنامہ معارفِ رضا بھی یک موضوعاتی مقالات پر مشتمل ہے۔ عنوان ہے:

"علم کیمیا (Chemestry) اور طبعیات (Physics) کے میدان میں بحیثیت سائنسداں امام احمد رضا کے نظریات اور ان کی نگارشات" سال ۲۰۱۴ء کی کانفرنس کی پلاننگ اور اہلِ علم و فن کو موضوع کے اعتبار سے مقالات پیش کرنے کی ترغیب اور زیر نظر معارفِ رضا سالنامہ کو ایک نئے انداز میں قارئین کرام کو پیش کرنے میں ادارہ کے تمام اراکین نے صبح و شام جدوجہد کی ہے۔ لیکن دو حضرات کا اگر تذکرہ نہ کروں تو سخت ناسپاسی ہوگی۔ راقم کے محب اور عزیز، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے جنرل سیکریٹری

محترم پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب زید مجدہٗ مدیر معارفِ رضا اور محبّی و عزیزی پروفیسر دلاور خاں نوری حفظ اللہ الباری جوائنٹ سیکریٹری ادارۂ ہذا و نائب مدیر معارفِ رضا۔

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری زید عنایتہٗ خود سائنس کے طالب علم رہے ہیں اور فی الوقت جامعہ کراچی میں اس کے ایک شعبہ پٹرولیم ٹیکنالوجی کے سنیئر استاذ ہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے سائنسی علوم میں مہارت کے حوالے سے متعدد تحقیقی مقالات سپرد قلم کر چکے ہیں۔

محترم پروفیسر دلاور خاں نوری زید علمہٗ ماہر تعلیمات (Educationist) ہیں، جدید و قدیم نصابیات پر عمیق نظر رکھتے ہیں فن کے موضوعت کے ہر پہلو پر تجزیاتی اور معروضاتی سوچ کے حامل ہیں۔ امام احمد رضا کے افکار، نظریات اور علمی فتوحات کے حوالے سے ان دونوں حضرات کا وسیع مطالعہ ہے لہٰذا موجودہ افراد و سائل کے پیش نظر امام احمد رضا پر مذکورہ کانفرنس / سیمینار، نظم و ضبط کے ساتھ منعقد کرنے اور معارفِ رضا سالنامہ کا موضوعات کی بنیاد پر اشاعت ان سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ راقم تقریباً گذشتہ ۵ سال سے مختلف عوارض میں مبتلا رہا، ادارہ کے دفتری معاملات سے لے کر سالانہ کانفرنس کے انعقاد، معارفِ رضا ماہنامہ اور سالنامہ کا بطریق احسن اجراء، ادارہ کے انہی دونوں ''بطلِ جلیل'' کی صلاحیتِ منتظمہ کا مرہونِ منت ہے فجزاکمااللہ تعالیٰ احسن الجزا ادارے کے دیگر اراکین جنہوں نے ان دونوں حضرات کے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے، جناب ڈاکٹر محمد حسن امام صاحب، جناب سید ریاست رسول قادری صاحب، جناب حاجی عبد اللطیف قادری صاحب، جناب حاجی عبد الرزاق تابانی صاحب، آفس سیکریٹری جناب جاوید حسین شاہ بخاری صاحب، کمپیوٹر اور ویب انچارج جناب مبشر خاں صاحب وغیرہم بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دونوں جہان کی بہترین جزا عطا فرمائے آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

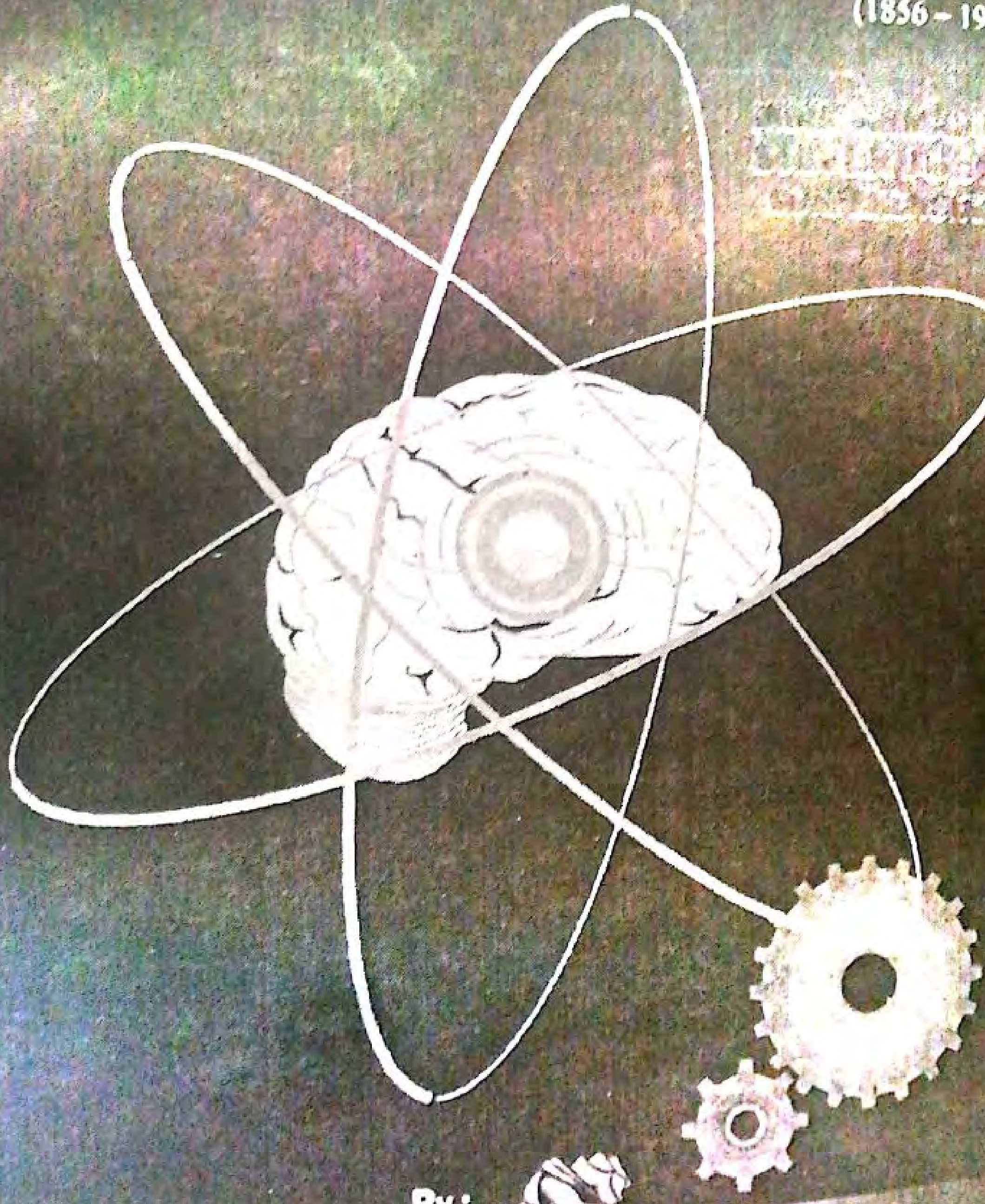
اس موقع پر اگر اپنے معاونین کرام کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یہ احسان فراموشی ہو گی جن کے اسماء گرامی معارفِ رضا کے پہلے صفحہ پر لکھے گئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ جزاء جزیل عطا فرمائے۔

قارئین کرام! ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے زیرِ نظر معارفِ رضا سالنامہ امام احمد رضا قدّسَ اللہ سِرّہُ العَزِیز کے سائنسی علوم پر ایک جمیل مرقع کی صورت میں اربابِ علم وفن کے سامنے پیش کیا جائے۔ ہم اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، یہ آپ کا فیصلہ ہے۔ ہم اپنی فروگذاشت کی نشاندہی، اور اس کو مزید خوب سے خوبتر بنانے کی اپنی کاوش میں آپ کے مفید مشوروں اور آراء کے منتظر رہیں گے۔ امید ہے کہ اہلِ علم وفن اور جامعات کے ریسرچ اسکالرز عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں قادری حنفی علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے آقاو مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے عطاشدہ علم لدُنّی کے ان گوشوں پر اپنے تحقیقی کام کو آگے بڑھائیں گے۔

نکہتِ جاں بخش دارد خاکِ کوئے گل رخاں
عارفاں زانجا مشامِ عشق مشکیں کردہ اند

Scientific Work of
IMAM AHMAD RAZA

(1856 – 1921)



By :
Dr. Muhammad Malik

IDRA-I-TAHQEEQATE-E-IMAM AHMAD RAZA
www.imamhmadraza.net

امام احمد رضا اور تحقیق زلزلہ

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چیئرمین شعبہ پیٹرولیم ٹیکنالوجی، جامعہ کراچی۔

اس سے قبل کے مسلم سائنسداں امام احمد رضا قادری بریلوی (م ۱۳۴۰ھ /۱۹۲۱ء) علیہ الرحمہ کا زلزلہ سے متعلق موقف پیش کروں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے اختصار کے ساتھ زلزلے سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کروں تاکہ قارئین حضرات یہ جان سکیں کہ برصغیر پاک وہند کا یہ عظیم سائنسداں علم کے ہر گوشہ سے بھرپور واقفیت رکھتا تھا جس نے ہمیشہ اپنا موقف قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ دور حاضر میں ۹۹ فیصد مسلمان اور مسلم سائنسداں آج صرف اور صرف مغربی افکار کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان ہی خیالات اور تحقیق کو حرف آخر سمجھتے ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آج دنیا کی ساری ترقی پچھلے مسلمان سائنسدانوں کی مرہون منت ہے کاش! کہ مسلمان فی زمانہ بھی قرآن وحدیث کا عمیق مطالعہ کریں اور ہر علم سے متعلق اپنا موقف قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کریں اور دین کا علم بلند رکھیں۔

زلزلہ کیا ہے؟

زمین میں اگر تھر تھراہٹ پیدا ہو یا زمین میں دراڑیں پڑ جائیں یا اچانک زمین یا پہاڑ کا کچھ حصہ سرک جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ زلزلہ آگیا۔ بعض وقت اس کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ زمین کا کچھ حصہ ایک دوسرے سے میلوں دور کھسک جاتا ہے، زمین الٹ جاتی ہے، کہیں کہیں زمین پھٹ جاتی ہے جس کے باعث بعض دفعہ زمین لاوا (Lava) اگل دیتی ہے۔ بعض دفعہ جب زلزلہ آتا ہے زمین ایسے جھولتی ہے جیسے کوئی جھولے پر بیٹھا ہو، گڑگڑاہٹ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بعض وقت اموات اسی آواز کے باعث ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے اس کے لئے دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

A Sudden motion or trembling in the Earth caused by the abrupt relase of slowly accumulated strain (by faulting of Volcanose) ۱

Earthqyake: aShanking of the ground caused by the sudden dislocation of material with in the earth.Some earth_quakes are so slight that they are bare_ly felt, others are so violent that they cause extensive damage.

The focus of an earthquake is the centre of the region where the earthquake originates anlit is usually less that 20 miles below the earth's surface. The greatest record is 450 miles below the surface of the earth. The point on the earth's surface direct. Ly above the focus is called the Epicen tre (زلزلہ کا مرکز) near which most earth. Quake damages occurs ۲

زلزلہ اگرچہ کہیں بھی کسی وقت آسکتا ہے مگر اس کے کچھ علاقہ ایسے ہیں جہاں یہ اکثر آتے رہتے ہیں مثلاً شمالی اور جنوبی امریکہ مغربی ساحلی علاقہ اور جاپان، فلپائن کا علاقہ ٪85 زلزلہ کی زد میں ہیں جبکہ ہمالہ، کوہ قاف، کوہ الپائن یورپ تک پہاڑی سلسلہ ٪10 زلزلہ سے متاثر رہتا ہے جبکہ بقیہ 5 فیصد زلزلے دنیا میں کہیں بھی آسکتے ہیں۔

زمین کا وجود سائنس کی تحقیق کے مطابق 4500 ملین سال قبل ہوا تھا جبکہ قرآنی معلومات کے مطابق انسان کی پیدائش سے ٦۔ دن پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب تخلیق فرمایا لیکن اس حقیقت کا کوئی تعین نہیں کہ اللہ عزوجل کا ایک دن ہمارے کتنے سالوں کے برابر

ہے اگر ایک دن 1000 ملین کے برابر ہو جائے تو سائنس کا اندازہ صحیح ہو سکتا ہے بہر کیف جب زمین وجود میں آئی یہ آگ کا ایک دھکتا ہوا گولا تھی آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی جس کے باعث اوپر تو آتشی چٹانیں بن گئیں مگر اس کے نیچے یا زمین کے خول میں لاوا مائع کی صورت میں موجود رہا جو ہر وقت اس طرح گھوم رہا ہے جس طرح کوئی انسان ہاتھ سے لسی بناتا ہے تو دہی گھومتا ہے اور اوپر کا نیچے اور نیچے کا اوپر ہوتا رہتا ہے بالکل اسی طرح یہ لاوا زمین کے اندر گھوم رہا ہے اور یہ اوپر کی چٹان پر آکر ٹکراتا بھی ہے اور کہیں کہیں سے آتش فشاں کے پھٹنے کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔

آتشی پہاڑ زمین پر (Continental crust) اور سمند کے تہہ کے نیچے Oceanic crust کی صورت میں چاروں طرف سے لاوے کو ڈھانپے ہوئے ہیں اور یہ سخت موٹی تہ Crustal Plate میں تقسیم ہیں اور یہ کئی جگہ سے ایک دوسرے سے دور ہو رہی ہیں کہیں یہ Crust Plate ایک دوسرے کے اوپر چڑھ رہی ہیں اور کہیں ایک پلیٹ دوسرے کے نیچے جا رہی ہے جس کے باعث ان کے سروں (Mar-gines) پر دباؤ بڑھتا چلا جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ یہ دباؤ بہت زیادہ ہو جاتا ہے جب یہ دباؤ بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو اب یہ خارج ہونا بھی چاہتا ہے۔ پہاڑوں کی رگوں Fault zones سے اس کا اخراج آسان ہوتا ہے یہ ہی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں زلزلہ محسوس کیا جاتا ہے کیونکہ زلزلہ ہم اس وقت محسوس کرتے ہیں جب یہ سارا عمل اختتام کے قریب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سائنس اس دباؤ (Strain) یا اس انرجی کے اخراج کو سبب زلزلہ بتاتی ہے مگر امام احمد رضا اس کے خلاف ہیں آپ کا کہنا یہ ہے کہ (Storedenergy) کا اخراج سبب زلزلہ نہیں بلکہ یہ اخراج زلزلہ کا resultant ہے زلزلہ کا سبب ان پہاڑی سلسلوں میں موجود ریشوں (Root) میں کس قسم کی حرکت کے سبب آتا ہے آیئے امام احمد رضا کی تحقیق اور جستجو سے آگاہی حاصل کریں۔

راقم امام احمد رضا کی فتاویٰ رضویہ کی جلد ۱۲ کا مطالعہ کر رہا تھا اس کے دوران دو استفتاء ایسے نظر آئے جس میں مستفتیوں نے زلزلے کے سبب سے متعلق سوالات کئے ایک سوال کا جواب تو بہت مختصر ہے دوسرا خاصہ طویل جس کو اختصار کے ساتھ یہاں تحریر کروں گا تاکہ قارئین کی دلچسپی بھی قائم رہے

اور مضمون میں ربط بھی برقرار رہے۔ تفصیل اگر کسی کو درکار ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ا۱۸۹ سے صفحہ ۱۹۲ تک مطالعہ کرے۔

- امام احمد رضا کے جواب میں جو عبارات قوسین میں نظر آئے وہ اس احقر کی ہے جو صرف قاری کو سمجھانے کی خاطر تحریر کی ہیں تاکہ وہ امام احمد رضا کی بات آسانی سے سمجھ سکے آیئے اب ان دونوں فتاویٰ کا جائزہ لیں:

سوال: مرسلہ مولوی احمد شاہ:

زلزلہ آنے کا کیا باعث ہے؟

جواب: اصلی باعث آدمیوں کے گناہ ہیں اور پیدا یوں ہوتا ہے کہ "ایک پہاڑ تمام زمین کو محیط ہے [غالباً اس سے مراد Oceanic and Continental crust کی تہہ ہے جو یقیناً پوری زمین کو محیط ہے اور یہ سب آتشی چٹانیں ہیں] اور اس کے ریشے [اس سے مراد ان Crust کے Roots ہیں جو پوری زمین کو محیط ہے اور کہیں اس کے تہہ سو میل سے کم ہے اور کہیں یہ تہہ 500 میل سے بھی زیادہ ہے] زمین کے اندر اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں جیسے بڑے درخت کی جڑیں دور تک اندر اندر پھیلتی ہیں۔ جس زمین پر معاذاللہ زلزلہ کا حکم ہوتا ہے وہ پہاڑ اس جگہ کے ریشے (Roots) کو جنبش دیتا ہے زمین ہلنے لگتی ہے۔ ۳ے

دوسرا مسئلہ سردار مجیب الرحمان خاں نے ۲۶ صفر ۱۳۲۷ھ میں ضلع کھیری سے کیا تھا:

سوال: (۱) نسبت زلزلہ مشہور ہے کہ زمین ایک شاخ [سینگ] گاؤ پر ہے کہ وہ ایک مچھلی پر کھڑی رہتی ہے جب اس کا سینگ تھک جاتا ہے تو دوسرے سینگ پر بدل کر رکھ لیتی ہے اس سے جو جنبش و حرکت ہوتی ہے اس کو زلزلہ کہتے ہیں اس میں اسفسار یہ ہے کہ:

(۲) سطح زمین ایک ہی ہے اس حالت میں جنبش سب زمین کو ہونا چاہیے۔

(۳) زلزلہ سب جگہ یکساں آنا چاہیے۔

(۴) گزارش یہ ہے کہ کسی جگہ کم کسی جگہ پر زیادہ اور کہیں بالکل نہیں آتا۔

(۵) جو کیفیت واقعی اور حالت صحیح ہو اس سے معزز فرمائے۔ ۴ے

جواب(۱)زلزلہ کا سبب مذکورہ زد عوام محض بے اصل ہے[یعنی یہ گمان باطل ہے کہ زمین گائے کی سینگ پر اور وہ مچھلی پر](۲۔۳۔۴)کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

زمین اجزائے متفرقہ کا نام ہے[زمین ذرات کے آپس میں جڑے رہنے سے بنی ہے اگر غور سے دیکھا جائے(خوردبین کے ذریعہ) تو یہ سب متفرقہ اجزا نظر آئیں گے اور ان کے درمیان جگہ (Voids)ہوتے ہیں] حرکت کا اثر بعض اجزا کو پہونچنا بعض کو نہ پہونچنا مستعبدؔ[دور قیاس] نہیں[زلزلہ اس لئے کہیں کم اور زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ پہاڑ کوئی ایک جسم تو نہیں ذرہ ذرہ جڑا ہوا ہے اور اس میں بھی سوراخ ہیں اس لئے جنبش جب کہیں شروع ہوتی ہے تو وہ آگے جاکر کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے اس لئے زلزلہ مختلف جگہ مختلف قوت کا ہوتا ہے]

عقیدہ توحید کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک ہر چیز کا سبب اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے جتنے اجزا کے لئے ارادہ تحریک ہوا انہیں پر اثر واقع ہوتا ہے وبس۔[۵]

آگے چل کر امام احمد رضا سبب زلزلہ پر گفتگو فرماتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

خاص خاص مواقع میں زلزلے آنا دوسری جگہ نہ ہونا اور جہاں ہونا وہاں بھی شدت وخفت میں مختلف ہونا اس کا سبب وہ نہیں جو عوام بتاتے ہیں سبب حقیقی تو وہی ارادۃ اللہ اور عالم اسباب اصلی بندوں کے معاصی:

''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ''[۶]

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائیوں کا بدلہ ہے اور بہت کچھ معاف فرمادیتا ہے۔

اور وجہ وقوع کوہ قاف[یہ چیچنیا ملک کے پہاڑ کا سلسلہ ہے جو ایک طرف ہمالہ سے مل جاتا ہے اور دوسری طرف یہ کوہ الپائن سے ملتا ہے اور پورے یورپ سے گزرتا ہے] کے ریشے (Roots) کی حرکت ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمام زمین کو محیط ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جس کا نام قاف ہے[یہاں قاف سے مراد Crust لیا گیا ہے اور یہ Crust پوری زمین کو محیط ہے جس کی جڑیں Sial تک ہوتی ہیں اور یہ Sail لاوا مائع

کی حالت میں ہے] کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کے ریشے زمین میں نہ پھیلے ہوں جس طرح پیڑ کی جڑ بالائے زمین تھوڑی سی جگہ میں ہوتی ہے اور اس کی ریشے زمین کے اندر اندر بہت دور تک پھیلے ہوتے ہیں کہ اس کے لئے وجہ قرار ہوں۔ جبل قاف جس کا دور تمام کرہ زمین کو اپنے لپیٹ میں لئے ہے اس کے ریشے ساری زمین میں جال بچھائے ہیں کہیں اوپر ظاہر ہو کر پہاڑیاں ہو گئے [یعنی Mountian chains بن گئے جیسے ہمالیہ، الپائن، وغیرہ وغیرہ] کہیں سطح تک آکر تھم رہے جسے زمین سنگلاخ کہتے ہیں [یہ Shield کے علاقے ہوتے ہیں جہاں پہاڑ تو نہیں مگر وہاں کی زمین آتشی نوعیت کی ہوتی ہے اور ان پر کسی بھی قسم کی دوسری Rock نہیں ہوتی ہیں جیسے انڈیا میں راجستھان کا علاقہ یا پاکستان میں نگر پار کر کا علاقہ جہاں کی زمین پر آتشی زمین Granite Rocks کی ہے] کہیں زمین کے اندر ہے قریب یا بعید ایسے کہ پانی کی چوان (Shore line) سے بھی نیچے [آتشی پہاڑ کے سلسلے زمین کے نیچے کم گہرائی یا بہت گہرائی کے بعد بھی ملتے ہیں اور سمندر کے پانی کے سطح کے نیچے 7 میل کے تہ کے بعد بھی آتشی چٹانیں Oceanic Crust کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ ان تینوں حالتوں میں Continental/Oceanic crust کے اوپر نرم رسوبی Sedimen tary چٹانیں پائی جاتی ہیں] ان مقامات میں زمین کا بالائی (اوپری) حصہ دور تک نرم مٹی رہتا ہے ہمارے قرب کا عام بلاد ایسے ہیں ہیں [کہ اوپر نرم مٹی کے پہاڑ ہیں جسے جبل پور نینی تال یا پنجاب کے پہاڑی علاقے] مگر اندر اندر [یعنی نیچے ان کے نرم پہاڑوں کے] قاف کے رگ وریشہ سے کوئی جگہ خالی نہیں [کہ اس نرم پہاڑوں کے نیچے آتشی پہاڑیاں Oceanic crust یا Continental crust موجود ہے جس کی شاخیں نیچے تک جاتی ہیں اور وہاں تک جاتی ہیں جہاں لاوامائع (Sail) کی حالت میں موجود ہے اور یہ لاوا حرکت کرتا رہتا ہے اور یہ حرکت ان Roots میں حرکت پیدا کرتی ہے اور یہ اوپر منتقل ہوتی جاتی ہے اور اوپر کی سطح تک پہنچ کر وہاں زلزلہ کا سبب بنتی ہے]

جس جگہ زلزلہ کیلئے ارادۃ اللہ عزوجل ہوتا ہے قاف کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وہاں کے ریشے کو جنبش دیتا ہے۔ صرف وہیں زلزلہ آئیگا جہاں کے ریشے کو حرکت دی گئی [یعنی جہاں لاوا کے حرکت سے Crust کی Root کو حرکت ہو گیا اوپر ان ہی پہاڑی علاقوں میں زلزلہ آئیگا] پھر جہاں خفیف کا حکم ہے

اس کے محاذی ریشہ کو آہستہ ہلاتا ہے اور جہاں شدید کا امر ہے وہاں بقوت۔ یہاں تک کہ بعض جگہ صرف ایک دھکا سالگ کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی وقت دوسرے قریب مقام کے درودیوار جھونکے لیتے ہیں اور تیسری جگہ زمین پھٹ کر پانی نکل آتا ہے یا بعض دفعہ مادہ کبریتی مشتعل ہو کر شعلے نکلتے ہیں چیخوں کی آواز پیدا ہوتی ہے [امام احمد رضا یہاں Earthquake Intensity or Magnitude کے متعلق گفتگو فرما رہے ہیں اور اس کے اسکیل کے متعلق بتا رہے ہیں کہ جب زلزلہ آتا ہے تو کہیں بالکل ہلکا محسوس ہوتا ہے کہیں زمین پھٹ جاتی ہے، وہ یا تو پانی اگل دیتی ہے یا پھر بعض دفعہ آتشی مادہ نکلنے لگتا ہے جو کہ آگ کی صورت میں ہی ہوتا ہے اور ساتھ ہی گڑگڑاہٹ کی بہت تیز آوازیں آتی ہیں]

زمین کے نیچے رطوبتوں (Liquid magma) میں حرارت شمس کے عمل سے بخارات سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں [جو کہ پتھروں کے سوراخوں (Voides) میں موجود رہتے ہیں] اور بہت دخانی مادہ (Gaseous vapours) ہے جنبش کے سبب زمین متنفس ہو کر وہ بخار و دخان نکلتے ہیں [یعنی جب زمین میں حرکت شروع ہو جاتی ہے تو اس کے سبب میں زمین میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں اور ان دراڑوں کے ذریعہ gases یا وہ بخارات جو اندر جمع تھے باہر نکلتے ہیں دھواں دھواں ہو جاتا ہے] طبیعات میں پاؤں تلے کی دیکھنے والے [یعنی علم طبیعات ماہرین] انہیں کے ارادۂ خروج کو سببِ زلزلہ سمجھنے لگے حالانکہ:

"ان کا خروج بھی سبب زلزلہ کا مسبب ہے"۔ ؎

[یعنی ماہرین طبیعات تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ زلزلہ اس لئے آتا ہے کہ یہ چٹانوں سے انکے اندر کی گیس یا اور قسم کی انرجی کے نکلنے کے سبب زلزلہ آتا ہے جب کہ امام احمد رضا کا موقف یہ ہے کہ زلزلے کے نتیجے میں کہیں پانی نکلتا ہے کہیں آتشی مادہ نکلتا ہے کہیں گیس و بخارات خارج ہوتے ہیں اور وجہ زلزلہ کی اصل یہ ہے کہ ان Crustat rock کی جب Roots ہلتی ہیں تو اوپر سطح پر ان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کے باعث اور نتیجہ میں اشیاء خارج ہوتی ہیں یا آوازیں پیدا ہوتی ہیں یا زمین ہلتی ہے اور سونا اگلتی ہے]

آخر میں امام احمد رضا، سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"اللہ عزوجل نے ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام قاف ہے وہ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے اس چٹان تک پھیلے ہوئے جس پر زمین ہے جب اللہ عزوجل کسی جگہ زلزلہ لانا چاہتا ہے اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے اور وہ اپنے اس جگہ کے متصل ریشے کو لرزش و جنبش دیتا ہے یہی باعث ہے کہ زلزلہ ایک بستی میں آتا ہے دوسری میں نہیں"۔[۸]

ماخذ و مراجع

۱۔ Glossery of Geology P.151.

۲۔ The Webster Encyclopedia Vol.6 P.186.

۳۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ ممبئی انڈیا

۴۔ ایضاً، جلد ۱۲ ص ۱۸۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۱۹۰۔

۶۔ الشوریٰ۔

۷۔ ایضاً، جلد ۱۲ ص ۱۹۱۔

۸۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۹۱ بحوالہ کتاب العقوبات از امام ابو بکر ابن ابی الدنیا۔

مجدد ملت امام احمد رضا بحیثیت سائنسداں، حکیم اور فلسفی

سید ریاست علی قادری بریلوی

علم و سائنس پر مسلمانوں نے جو احسانات کیئے ہیں اور جس طرح شمع علم کو روشن رکھنے کی کوشش کی ہے اس کا اندازہ علم و سائنس کی ان بے شمار کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ورثے مین چھوڑی ہیں۔ علوم و فنون کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں مسلمان عالموں اور سائنسدانوں کی شہرۂ آفاق تصانیف خصوصیت کے ساتھ آج بھی یورپ اور مغربی ممالک مین کلیدی اہمیت کی حامل ہیں اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، ریاضی ہو یا ہیئت، طب ہو یا قانون، طبقات الارض ہو یا طبیعات، منطق ہو یا فلسفہ، کیمیا ہو یا نجوم، فلکیات ہو یا ارضیات، غرض وہ کون سا ایسا علم و فن ہے جس میں مسلمان سائنسدانوں نے تحقیق نہ کی ہو اور ریسرچ کی نئی راہیں نہ کھول دی ہوں، موجودہ دور کی سائنسی ترقی اور ایجادات مسلمان سائنسدانوں اور موجدوں کی علمی و تحقیقی کی کاوشوں کی مرہون منّت ہیں، ابن الہیثم نے بصارت اور علم المناظر کے میدان میں اپنے پیش رو اور ہم عصر سائنسدانوں کے نظریات کو باطل قرار دے کر بصارت اور روشنی کے ٹھوس اور مثبت دلائل پیش کر کے نہ صرف دنیا میں تہلہ مچادیا بلکہ

وہ کچھ دیا جس سے آج پوری عالمی برادری فیضاب ہو رہی ہے۔ ابن الہیثم کا ان عالموں میں شمار ہوتا ہے جو فلسفہ کے ساتھ ساتھ ہیئت، ریاضی اور طبؒ کے بھی ماہر تھے۔ ابن الہیثم کی تحقیقات کا دائرہ زیادہ تر روشنی اور شعاعوں پر محیط ہے۔ حیرت ہے کہ اس نے روشنی کی ماہئیت، انعکاس نور، اور انعطاف نور کے متعلق دسویں، گیارھویں صدی میں جو تصورات پیش کئے تھے اور جو کلّیات وضع کئے تھے وہ آج بھی دُرست ہیں جابر بن حیان وہ پہلا کیمیاداں تھا جس نے مادہ کو ارسطو کے عناصر اربعہ، آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے طلسم سے نکالا، اور اُسے گرمی، سردی خشکی اور نمی کی صفات سے متّصف کر کے جوہری نظریہ کو جدید بُنیادوں پر استوار کیا۔

سولہویں صدیٔ عیسوی کے یورپی کیمیاداں جابر بن حیان کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوئے کہ برسٹل کا نامور انگریز کیمیاداں وان ٹامس مارٹن اپنے آپ کو جابر کا باورچی کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ الخوارزمی صرف اسلامی دنیا کا ہی نہیں بلکہ مغربی دنیا میں بھی تسلیم شدہ ریاضی داں تھا۔ ہیئت اور حساب میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ کیلپر اور کاپر نیکس نے الخوارزمی ہی کی معلومات پر اپنی تحقیق اور تجربوں کو آگے بڑھایا۔ طب کے میدان میں الطبری نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ دنیائے طب ہمیشہ اس کی احسان مند رہے گی۔ بوعلی سینا سے کون واقف نہیں جس نے "القانون فی الطب" لکھ کر دنیائے طب پر عظیم احسان کیا اس کی یہ تصنیف دنیائے طب یعنی میڈیکل سائنس میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ العرعانی جیسا مایہ ناز انجینیئر اور ماہر فلکیات جس نے زمین کا قطر معلوم کرنے کے لئے رصد گاہ تعمیر کرائی اور آنے والے محققین کے لئے نئی راہیں کھول دیں۔ امام رازی ایک زبردست ماہر طب تھے جو بابائے طب کہلائے وہ مشرق کی نسبت مغرب میں زیادہ مشہور ہوئے۔

الفارابی نے موسیقی کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر کے موسیقی اور سازوں کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا الزہراوی اسلامی دنیا کا عظیم ترین سرجن تھا جس کی کتابیں سترھویں صدی عیسوی تک سرجری کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھیں طبقات الارض کا عظیم اور نامی گرامی ماہر البیرونی وہ پہلا سائنسداں تھا جس نے یہ کہا کہ دریائے سندھ کی وادی کسی قدیم سمندر کا ایسا طاس ہے جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا۔

آج بیشتر طبقات الارض کے ماہرین جدید آلات اور سہولتوں کے حصول کے بعد البیرونی کے اس نظریہ کی تائید میں ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے ریگستان کسی زمانے میں سمندر کے طاس تھے عمر خیام کی کتاب "الجبر و مقابلہ" ساری دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اس عظیم سائنسداں کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں، امام غزالی کے آگے ارسطو اور افلاطون طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ امام غزالی نے یونانی فلسفے کی دھجیاں اڑاکر اسلامی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ ابن رشد کو دیکھئے کہ وہ نہ صرف مشرقی دنیا بلکہ مغربی دنیا کا بھی حکیم کہلایا۔ فلسفہ کا جو تعلق مذہب سے ہے اس کی جھلک ابن رشد کے ان فتووں میں نخوبی نظر آتی ہے جو اس نے قرطبہ کے قاضی کی حیثیت سے صادر کئے تھے۔

چودھویں صدی کے نصف میں ہندوستان میں بھی ایک ایسا عظیم الشّان سائنسداں پیدا ہوا ہے جس کو لوگ فقیہہ اعظم امام وقت چودھویں صدی کا مجدّد اور مختلف القاب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ علوم و فنون کا ہمالہ تھا۔ وہ علم کا ایسا بحر بیکراں تھا جس میں علوم و فنون کے لاتعداد دریا گرتے ہوں۔ جو علوم جدید و قدیم پر اس طرح مہارت تھی گویا وہ سب اسکے سامنے کھلونوں کی طرح بکھرے ہوں وہ بیشتر علوم پر اس طرح حاوی تھا جیسے وہ ان سب کا خود ہی موجد ہو میر ا اشارہ اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی طرف ہے بلاشبہ علم و فن میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنسداں گم تھے۔ ایک طرف ان میں ابوالہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوارزمی اور یعقوب کندی جیسی کہنہ مشقی تھی، تو دوسری طرف، الطبری، الفارابی، رازی اور بو علی سینا جیسی دانشمندی فارابی، البیرونی، عمر بن خیام امام غزالی اور ابن رشد جیسی خداداد ذہانت تھی تو دوسری طرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے رُوحانی وابستگی اور لگاؤ کے تحت عالی ظرف امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ہر رخ ایک مستقل علم و فن کا منبع تھا ان کی ذات میں کتنے ہی علم و عالم گم تھے وہ ایک ہمہ گیر وہمہ صفت انسان تھے انہوں نے تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں فتاویٰ رضویہ جو ہزار

صفحات پر محیط ہے یہ مجموعہ آپ کی جودت طبع اور تبحر علمی کا منہ بولتا شاہکار اور ایسا انمول خزانہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ کوئی علم و فن ایسا نہیں جس کی جھلک آپ کو اس عجوبہ روز گار تصنیف میں نہ ملے علم قرآن وعلم حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، جملہ مذاہب، جدل، تفسیر، علم العقائد، علم الکلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، مناظرہ، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ، لغت ادب وغیرہ کے علاوہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو سائنسی علوم پر بھی پوری مہارت حاصل تھی، ارثما طیقی، جبر و مقابلہ، حساب، ستنی، لوغارثمات، توقیت، ہیئت، ہندسہ، تکسیر، جیسے علوم میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے، صرف یہی نہیں کہ آپ اس قدر علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے یا ان سے آشنا تھے بلکہ ہر فن میں آپ نے کوئی کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے اس کے علاوہ بیشمار مشہور و معروف کتب پر حواشی تحریر فرمائے آپ کی مختصر تحریر بھی گنجینۂ علم و عرفان ہے آپ کا ہر فتویٰ ایک تحقیق کا حکم رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ایک فتویٰ جو ۵۷ صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں ۱۳۰ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اس دور میں جبکہ تحقیق کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم ہو چکے ہیں اس مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

اس طرح کتاب النکاح میں جو مقدمہ آپ نے لکھا ہے اس میں ۹۰ کتب کے نام حوالے کے طور پیش کئے ہیں موصوف نے خطبہ افتتاحیہ میں علوم کے ایسے دریا بہائے ہیں کہ گزشتہ صدی گذر جانے کے بعد سے آج تک کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی اس خطبہ میں ۹۰ کتب کے نام نثر میں اس طرح پروئے ہیں کہ جو عربی ادب کا شاہکار ہیں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ جس عبارت کا ترجمہ کیا جائے تو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ خطبہ عربی کتابوں کے ناموں سے ترتیب دیا گیا ہے اور ایک خصوصیت اور التزام یہ بھی ہے کہ صرف ان ہی کتب کے نام درج کئے ہیں جو کو فتاویٰ کے جواب اور حوالہ جات کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت اعلیٰ حافظہ عطا فرمایا تھا جس کا ثبوت ان کی تحریروں میں جابجا ملتا ہے فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم میں جنازہ سے متعلق ایک فتویٰ تحریر ہے جس میں آپ نے ۲۰۷ کتب کے حوالے پیش کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہے۔ (ملاحظہ ہو ”رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز“)۔

حقیقت میں امام احمد رضا ان تمام علوم و فنون سے پوری طرح واقف تھے جو ایک فقیہہ کے لئے ضروری اور لازمی ہیں آپ کے پاس دنیا بھر سے سینکڑوں سوالات آتے تھے جن کا جواب آپ اس انداز سے دیتے تھے کہ حیرت ہوتی، فارسی میں سوال ہوتا تو جواب بھی فارسی میں دیتے۔ سوال اگر عربی میں آتا تو اس کو جواب بھی عربی میں دیا جاتا سوال منظوم شکل میں ہوتے تو جواب بھی منظوم ہی ہوتا جیسا کہ میں نے ماسبق سطور میں کہا ہے کہ امام احمد رضا کو اصناف علم میں ہر صنف پر کامل عبور تھا اور سائنسی علوم پر تو اس قدر مہارت حاصل تھی کہ میتھ میٹکس کی بیشتر شاخوں مثلاً الجبرا، جیومیٹری، ٹرگنا میٹری اور لوگارثم وغیرہ کی مدد سے بڑے سے بڑا مسئلہ حل فرمادیا کرتے تھے اور اپنے نظریہ اور جواب کی وضاحت میں صفحات کے صفحات پیش کرتے ہیں۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو ریاضی اور سائنسی علوم پر پورا پورا عبور اور مہارت حاصل ہو جوابات دیتے وقت نہ صرف اپنے دلائل پر ہی اکتفا فرماتے بلکہ مخالفین پر بھی بخوبی مطلع ہوتے اور ان کے ممکنہ اعتراضات کے شافی جواب شامل کر لیتے تھے حق یہ ہے کہ جب تک جواب دینے والا مخالف کے دلائل پر عبور نہ رکھتا ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکے۔ علی گڑھ سے کسی صاحب نے ۱۹۲۴ء میں ایک فتویٰ بھیجا جس میں تحریر تھا۔ ”کچھ نئی روشنی والوں نے اپنے قیاسات اور انگریزی آلات کی مدد سے یہ تحقیق کیا کہ وہاں کی مسجد سمت قبلہ سے منحرف ہے وغیرہ وغیرہ۔“ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے پورا ایک رسالہ ہدایت ”المستعال فی حدالا ستقبال“ تحریر فرمایا (فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۱۵ تا ۱۴) امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے قرآن کریم اور احادیث کے سوالوں سے اس کا رد فرمایا نیز ریاضی کے مختلف علوم کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ سوال غلط ہے۔ (تفصیل کے لئے مندرجہ بالا رسالہ ملاحظہ کیجئے)

اثبات جزو لایتجزیٰ کے متعلق امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے قرآن کریم سے اثبات جزو کی دلیل مستنبط کی۔ فرماتے ہیں کہ ”میں نے تو جزو لایتجزیٰ کا قرآن عظیم سے اثبات کیا ہے اور یہ آیت پیش کی:

ترجمہ: ”اور ہم نے ان کو پارہ پارہ کر دیا“

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ کی پیشگوئی کے رد میں ۱۷ دلائل پیش کئے اور اس کی باطل پیشگوئی کے پرخچے اڑادیئے (دیکھئے معین مبین بہر دور شمسی وسکون زمین) حرکت زمین کے متعلق (فوز مبین) لکھا جو سائنسدانوں کے لئے ایک چیلنج ہے اس کے علاوہ "نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان۔" تحریر فرمایا۔

کتاب الطہارت فتاویٰ رضویہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ کنوئیں کا گھیراؤ کتنے ہاتھ ہونا چاہیئے کہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے" امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے لوگارثم کی مدد سے اس مسئلہ کا اتنا مدلل جواب دیا کہ حیرت ہوتی ہے آپ نے علم ریاضی کے اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی مدد سے جدول تیار کیا جو دائرے کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو بتانے کے لئے اپنی مثال آپ ہے اس مسئلہ میں امام احمد رضا نے کتب فقہ کے چار اقوال پیش کئے ہیں۔

قول نمبر ۱: ۴۸ ہاتھ، قول نمبر ۲: ۴۶ ہاتھ، قول نمبر ۳: ۴۴ ہاتھ، قول نمبر ۴: ۳۶ ہاتھ۔

قول نمبر ۴: کو آپ نے نہ صرف درست بتایا جہاں اصل میں ۳۵۰۴۴۹ ہاتھ ہیں۔ اور جس میں آدھے ہاتھ سے زیادہ فرق ہے، بلکہ کنواں مذکورہ کے صحیح در کی دریافت یعنی ۳۵۰۴۴۹ کے لئے آپ نے علم الحساب کا کس باریکی سے مصرف لیا ہے اس کا اندازہ آپ کے لئے کیلکولیشن سے ہی لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے پیش کئے ہیں اور جس کو ایک ماہر علم ریاضی و ہندسہ ہی سمجھ سکتا ہے۔

کتاب تیمم کے باب میں آپ نے جنس ارضی اور آگ کا تذکرہ کیا ہے جس میں ۱۸۰ ایسی چیزوں کے نام گنوائے ہیں جن میں تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر ۱۲۰ چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اسی جگہ آپ نے تقریباً ۱۸۰ ایسے پتھروں کی اقسام بھی بتائی ہیں جن سے تیمم ہوسکتا ہے پتھروں کی جائے پیدائش، وقوع اور ماہیت پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے علم کیمیا اور ماہر ارضیات اور معدنیات اگر اس روشنی میں تحقیق کریں تو یہ ایک عظیم کام ہوگا جس پر آنے والی نسلیں فخر کرسکیں گی۔

گندھک اور پارہ کے متعلق بھی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ اور ان کی جگہ ان دونوں کے میل نکاح سے اولاد ہے۔ یہ چیز کیمیا کے محققین کو دعوت فکر ہے۔

علم فلکیات کے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جس میں ایک صاحب نے دریافت کیا تھا۔ ''رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصّے کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیئے کہ نہیں؟۔'' تو اس کے جواب میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تجربات و مشاہدات اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرمایا کہ مذکورہ عام طریقہ غلط ہے اور بے بنیاد ہے کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں آٹھواں، نواں، یہاں تک کہ کبھی دسواں حصّہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے آپ نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے رؤس اور بروج کا ایک نقشہ مرتب کیا جو تا ابدان مضافات کے رات اور صبح کی نسبت نشاندہی کرتا رہے گا۔

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکورہ کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنے والے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا عالم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

ان کے علاوہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف فتاویٰ میں جن مسائل پر تحقیق کی ہے ان میں چند یہ ہیں:

۱۔ پانی میں رنگ ہے یا نہیں؟

۲۔ پانی کا رنگ سپید ہے یا سیاہ؟

۳۔ موتی، شیشہ، بلور، پیسنے سے خوب سپید کیوں ہو جاتے ہیں؟

۴۔ آئینہ میں وار پڑ جائے تو وہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے؟

۵ پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟

۶۔ آئینہ میں اپنی صورت کے علاوہ چیزیں جو پیٹھ کے پیچھے ہیں کس طرح نظر آتی ہیں؟

۷۔ شعاع کی جنس۔

۸۔ رنگتیں تاریکی میں موجود رہتی ہیں۔

۹۔ کان کی ہر چیز گندھک اور پارے سے متولّد ہے۔

۱۰۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔

۱۱۔ شعاعیں جتنے زاویوں پر جاتی ہیں اتنے پر ہی پلٹتی ہیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے یہاں ہمیں عجوبہ ونادر چیز جو ملتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ مسئلہ کو انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو، روحانی ہو یا مادی، نفسیاتی، ہو یا سائنسی علمی ہو یا مذہبی، ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت اسی وقت ہو گی جب کہ تحریر کرنے والا موضوع پر پورا پورا عبور رکھتا ہو اور موضوع اس کی مکمل گرفت میں ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو جس طرح نوازا ہمارے ہی لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر ہے۔

امام احمد رضا کا نظریہ سائنس

علامہ مولانا جلال الدین قادری

برعظیم پاک و ہند پر مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ اقتدار کے افسوس ناک خاتمہ، جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی شخصیت اور غاصب و ظالم انگریزی تسلط و تغلب ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں مکمل ہونے کے بعد اسلامیانِ ہند کی معاشی اور معاشرتی بدحالی محتاج بیان نہیں(۱)۔ جہاد آزادی میں اگرچہ تمام اقوام ہند شامل و شریک تھیں، مگر عیار ہنود نے اس کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی اور خود انگریزوں کی نگاہوں میں وفادار بن گئے۔ اقتدار کے اندھے نشے میں انگریزوں نے مسلمانانِ ہند کو موردالزام ٹھہرایا۔ اس لئے یہی ان کے مزید ظلم و جفا کا نشانہ بنے۔ انہیں احساس ہوا کہ جب تک مسلمان اپنے مذہبی معتقدات پر کاربند رہیں گے ان کی تسخیر نہ ہوسکے گی۔ اس خطرناک منصوبے پر عمل کے لئے انہوں نے اسلامی معتقدات کو نشانہ اعتراض بنایا۔ عیسائی مشنریوں کی تبلیغ اور اسکولوں، کالجوں کی تعلیم و تربیت نے مسلمانوں کو ان کے مذہبی معتقدات سے دور کرنے کی بھرپور کوشش شروع کر دی۔ لارڈ میکالے نے جو

نصاب تعلیم تجویز کیا اس کے اغراض و مقاصد یہی تھے۔ اس کی تعلیمی پالیسی کے یہ نکتے اس امر کے اظہار کے لئے کافی ہیں:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایک جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو"۔[۲]

لارڈ میکالے کی پالیسی پر عمل درآمد کے لئے دینی و مذہبی تعلیمی اداروں کو بند کر دیا گیا۔ ان مدارس و مکاتب کے اوقاف کو ضبط کیا گیا۔[۳]

بدقسمتی سے انگریزی پالیسی سے نام نہاد مسلمان متاثر ہوئے اور ایک طبقہ انگریزی تسلط اور تغلب کو "رحمت" تصور کرنے لگا جس کا اظہار انہوں نے جابجا بر ملا کیا۔[۴]

نوبت بایں جا رسید کہ انگریزی آقاؤں کی اطاعت کو "فرض" کا درجہ دیا گیا اور قرآن و حدیث کے مضامین میں تحریف کر کے اپنے نئے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کی گئی۔ بشیر الدین احمد پسر ڈپٹی نذیر احمد کے الفاظ میں نیا "فرض" سنئے:

"بقا قیام سلطنت موجودہ کے لئے جس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے وفادارانہ کوشش کرنا ہر امن پسند رعایہ کا فرض عین ہے اور (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ) حکم الٰہی کا بھی یہی منشا ہے"۔[۵]

لارڈ میکالے کے نصاب تعلیم کا ہمنوا یہ طبقہ اپنے آقاؤں سے بھی دو قدم آگے نکل گیا۔ وفادار ماتحت اپنے آقا کی بات کو ہمیشہ بڑھا کر پیش کرتا ہے، جلد ہی ایک وقت آیا کہ نام نہاد مسلمانوں کے اس طبقہ نے کھلم کھلا اسلامی معتقدات کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ جس سے مقصود اپنے نئے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنا تھا بلکہ نصوصِ اسلامیہ کی تاویل ناروا کا ایسا دروازہ کھلا، جو منشاءِ اسلام کے سراسر خلاف تھا۔ اس ضمن میں علی گڑھ کالج (بعد میں یونیورسٹی) کے بانی سر سید احمد خان کا نام سر فہرست ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں تحریف سے کام لیا۔ سید احمد خان کے عقیدت مند الطاف حسین حالی نے لکھا ہے:

"اگرچہ سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائیں ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت رقیق لغزشیں ہوئی ہیں بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں"۔ ۶

ترقی کرتے ہوئے اس طبقہ نے نئے علم کلام کی بنیاد عقل اور تجربہ پر رکھی۔ تکمیل کے مراحل طے کرنے کے بعد سید احمد خان کے نزدیک مذہب کی صداقت کا معیار صرف تجربہ ومشاہدہ رہ گیا۔ سید احمد خان کی دینی وعلمی خدمات کی وضاحت کرتے ہوئے الطاف حسین حالی نے لکھا:

"اس وقت تمام علمی دنیا میں مذہب کی صداقت کا معیار یہ قرار پایا ہے کہ جو مذہب حقائق موجودات اور اصول وتمدن کے برخلاف ہو وہ مذہب سچا نہیں ہو سکتا"۔ ۷

عقل اور پھر تجربہ ومشاہدہ کو مدارِ صحت مذہب قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان حقائق دینیہ کا انکار کر دیا گیا جو وحی سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا گیا۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم میں صرف تجربہ اور مشاہدہ ہی حقائق موجود کے لئے مدارِ صحت قرار دیا گیا۔ قدرت الٰہی کو فراموش اور پس پشت ڈال کر نئے علم کو جدید سائنس کہا گیا۔

بدقسمتی سے آزادی ہند اور غاصب انگریز کے چلے جانے کے پچاس برس بعد ہماری جامعات اور مدارس کی تعلیم وتربیت کی نہج آج بھی وہی ہے۔ اس میں اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس اور ہماری جامعات اچھے ڈاکٹر، اچھے انجینئر، اچھے وکلاء، اچھے سائنس دان اور اچھے اساتذہ پیدا کرنے کے کارخانے تو ہیں مگر ان سے اچھے تعلیم یافتہ مسلمان پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ بالعموم یہ تعلیم یافتہ حضرات یقین کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ تشکیک ان کا مقدر رہتی ہے۔ ان حضرات میں جو اچھے مسلمان نظر آتے ہیں اس کا سبب گھر کا دینی ماحول اور جامعات سے ہٹ کر دینی تربیت کا میسر آجانا ہے۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ یقین وایمان کی دولت تو دینی تعلیم وتربیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں ذہنی تشکیک کی مثال ملاحظہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"اگرچہ سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائیں ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت رقیق لغزشیں ہوئی ہیں بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں"۔ ۶

ترقی کرتے ہوئے اس طبقہ نے نئے علم کلام کی بنیاد عقل اور تجربہ پر رکھی۔ تکمیل کے مراحل طے کرنے کے بعد سید احمد خان کے نزدیک مذہب کی صداقت کا معیار صرف تجربہ ومشاہدہ رہ گیا۔ سید احمد خان کی دینی وعلمی خدمات کی وضاحت کرتے ہوئے الطاف حسین حالی نے لکھا:

"اس وقت تمام علمی دنیا میں مذہب کی صداقت کا معیار یہ قرار پایا ہے کہ جو مذہب حقائق موجودات اور اصول وتمدن کے برخلاف ہو وہ مذہب سچا نہیں ہو سکتا"۔ ۷

عقل اور پھر تجربہ ومشاہدہ کو مدارِ صحت مذہب قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان حقائق دینیہ کا انکار کر دیا گیا جو وحی سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا گیا۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم میں صرف تجربہ اور مشاہدہ ہی حقائق موجود کے لئے مدارِ صحت قرار دیا گیا۔ قدرت الٰہی کو فراموش اور پس پشت ڈال کر نئے علم کو جدید سائنس کہا گیا۔

بدقسمتی سے آزادی ہند اور غاصب انگریز کے چلے جانے کے پچاس برس بعد ہماری جامعات اور مدارس کی تعلیم وتربیت کی نہج آج بھی وہی ہے۔ اس میں اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس اور ہماری جامعات اچھے ڈاکٹر، اچھے انجینئر، اچھے وکلاء، اچھے سائنس دان اور اچھے اساتذہ پیدا کرنے کے کارخانے تو ہیں مگر ان سے اچھے تعلیم یافتہ مسلمان پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ بالعموم یہ تعلیم یافتہ حضرات یقین کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ تشکیک ان کا مقدر رہتی ہے۔ ان حضرات میں جو اچھے مسلمان نظر آتے ہیں اس کا سبب گھر کا دینی ماحول اور جامعات سے ہٹ کر دینی تربیت کا میسر آجانا ہے۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ یقین وایمان کی دولت تو دینی تعلیم وتربیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں ذہنی تشکیک کی مثال ملاحظہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ" ۸؎

"اور زمین میں لنگر ڈالے کہ تمہیں لے کہ کانپے"

نیز ارشاد ربانی ہے: "وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا" ۹؎

"اور (ہم نے) پہاڑوں کو میخیں (بنادیا)"

ان آیاتِ قرآنیہ میں بتایا گیا کہ جب زمین کو پیدا کیا گیا تو اس کو ہلنے سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کئے۔ یہ پہاڑ زمین کے لئے بمنزلہ لنگر اور میخ کے ہیں تاکہ زمین کو قرار رہے۔ اس کے برعکس ملک کی ممتاز یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی کے اربابِ تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ پہاڑوں کو لنگر اور میخیں بنائے جانے کا تصور "بعض لوگوں کا تصور" ہے، قرآنی حقیقت نہیں۔ تحقیق ملاحظہ ہو:

"ایک اور بیان جو اس سے قدرے مختلف ہے، یہ ہے کہ صرف وہ چٹان (الصخرہ) جس پر اصلی کوہِ قاف قائم ہے، ایک قسم کے زمرد کی ہے، اس چٹان کو الوتد (میخ) بھی کہا گیا ہے، کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے زمین کے سہارے کے لئے بنایا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زمین اپنی قوت سے اپنی سہارے پر قائم نہیں رہ سکتی تھی اور اسی لئے اس قسم کے سہارے کی ضرورت ہوئی، اگر کوہِ قاف نہ ہوتا تو جیسا کہ الطبری کے فارسی ترجمے میں ہے، زمین برابر کانپتی رہتی اور کوئی جاندار اس پر زندہ نہ رہ سکتا"۔ ۱۰؎

"اربابِ تحقیق" کے مطابق زمین کے سہارے کے لئے قاف، وتد (میخ) کا تصور بعض لوگوں کا ہے قرآنی حقیقت نہیں۔ اس قرآنی حقیقت کے بارے میں مزید تشکیک پیدا کرنے کے لئے "الطبری کے فارسی ترجمہ" کا حوالہ دیا گیا۔ قرآن مجید آیات کو غیر ضروری اور غیر متعلق سمجھا گیا۔

مولوی محمد فیروز الدین نے رائے منشی غلام سنگھ اور مولوی علی محمد کی امداد سے لغاتِ فیروزی کو تالیف کیا اور اسے سر چارلیس امفرسٹن اچیسن صاحب بہادر لیفٹننٹ گورنر پنجاب کی یادگار ٹھہرایا۔ بدقسمتی سے لغت کی اس کتاب میں بھی مغربی تعلیم کے اثرات موجود ہیں۔ کوہِ قاف کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے۔

ایک مشہور پہاڑ کا حصہ ایشیائی جو روس کے شمال کی طرف واقع ہے اگلے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ پہاڑ دنیا کے چاروں طرف محیط ہے اور عالم کے ارد گرد اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ چنانچہ شعراء قاف وتا قاف سے سارا عالم مراد لیتے تھے۔ لیکن اس کا باعث صرف علم جغرافیہ سے ناواقفیت تھی۔ فارسی شعراء نے کوہ قاف کو دور تک پھیلا ہوا دیکھ کر اور اس کی آخری حد نہ پاکر ایسا خیال کیا ہوگا کہ شاید یہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اب یہ خیال غلط نکلا"۔۱۱

کوہ قاف کے محیط عالم ہونے کی حقیقت (جس کا بیان آئندہ سطور میں آرہا ہے) غلط قرار دیا۔ لیکن اس کے ہونے کی دلیل کا بیان ضروری نہ سمجھا گیا۔ شاید لیا گیا کہ دورِ انگریزی میں ہمارا فرمان ہی سند ہے۔

ہمارے ادبی سرمایہ کا یہ حال ہوا۔ مذہبی سرمایہ تو اس سے زیادہ بدحال ہوا۔ تاریخ کے اوراق الٹتے جایئے اور پڑھتے جایئے۔ صدی ڈیڑھ صدی قبل کے برعظیم کے مجموعی حالات کو دیکھئے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ملت اسلامیہ کے بنیادی معتقدات اور اجتماعی مفادات کے خلاف سازشوں کے جال بچھائے گئے۔ ہر طرف گھٹاٹوپ اندھیرا ہے روشنی نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ اگر کسی کو روشنی کا نام دیا گیا تو وہ بھی سراب ہے! تعلیمی ادارے مغربی عقل و دانش اور انگریزی تہذیب کی ترویج میں مصروف ہیں۔ الا ماشاءاللہ۔

ان حالات میں، اندھیروں میں، اس جبر واستبداد میں، ان خوشامدیوں میں اور ان نام نہاد مسلمان دانشوروں کی اسلامی معتقدات کو مسخ کرنے کی منحوس کارستانیوں کے جھرمٹ میں امام احمد رضا قدس سرہ النوری مجددانہ عظمت، حکیمانہ فراست، محدثانہ شوکت، ناقدانہ بصیرت، فقیہانہ جلالت، مدبرانہ سطوت اور بے خوف امامت کے ساتھ میدانِ عمل میں تشریف لائے۔ ایقان و عرفان کے تحفظ، عشقِ رسالت مآب کی ترویج واشاعت اور معتقداتِ اسلامیہ پر دشمنوں کی یلغار کے دفاع کیلئے ایسی کمر ہمت باندھی کہ عرب و عجم میں اس کے اثرات محسوس ہوئے۔ اطرافِ عالم میں اسی کی مصلحانہ گرجدار آواز پر لوگوں نے کان دھرے۔ عشقِ رسول اکرم ﷺ کی تحریک کو اساس ایمان اور جانِ ایمان قرار دینے کی مساعی جمیلہ نے ہر دل میں گھر کر لیا۔ مسلمانوں کے قلب و نظر سے خدا (جل وعلا) اور مصطفیٰ کی عظمت کو کم کرنے کی (نعوذ باللہ) ہر نام نہاد اصلاحی، تعلیمی اور تنظیمی تحریک، تحریر اور تقریر کو اپنی نوکِ کلک سے تہ و تیغ کیا۔

عظمت رفتہ اور شوکتِ اسلام کے پرچم ہر سمت بلند فرمادیئے۔ آپ نے بتایا کہ جس طرح عبادات میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان جامع عبادت ہے اسی طرح تجربات، مشاہدات اور موجودات میں اس کی قدرت پر ایمان پر فرض ہے۔ فلکیات، ارضیات اور طبعیات کے اصول و قوانین، لیل ونہار کی معمول کی گردش، موجودات اور حقائق کا وجود سب اسی کے اشارہ قدرت کے محتاج ہیں۔ غرض کہ ہر عیاں ونہاں میں وہی جلوہ گر ہے۔ اس کی قدرت اور منشا کے بغیر کوئی حرکت وسکون ممکن نہیں۔ سائنس کے تجربات ومشاہدات ہوں یا نظری علوم کے اصول، اس کی قدرت ومنشاء کے بغیر عدم محض ہیں۔ آج وقت کی رفتار اور تاریخ کے اوراق نے آپ کی مساعی کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں بریلی (انڈیا) کے ایک علمی وروحانی خاندان میں پیدا ہوئے ۱۲۔ والد ماجد کا نام مولانا نقی علی اور دادا کا نام مولانا رضا علی تھا ۱۳۔ یہ حضرات علم وعرفان کی اعلیٰ منزلوں پر فائز تھے۔ ان کے معاصرین میں ان کی شہرت تھی۔ یہ حضرات مرجع علماء وصلحاء تھے۔ بہت سے خوش نصیب حضرات ان کے دامن گرفتہ تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے دور میں قدیم دینی علوم اور جدید سائنسی علوم کے ذریعے اسلامی معتقدات کو نشانہ بنایا گیا تو اس لئے فیاض فطرت نے آپ کو قدیم دینی علوم اور جدید سائنس علوم میں نہ صرف مہارت تامہ عطا کی تھی بلکہ ان علوم وفنون میں ناقدانہ اور مجتہدانہ بصیرت وقوت عطا فرمائی تھی۔ تاکہ مجددانہ شوکت سے ان غیر اسلامی عقائد واعمال اور نظریات کی اصلاح کر سکیں۔ آپ کو بے شمار علوم عطا ہوئے۔ جدید تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ایک سو سے زائد ہے ۱۴۔ ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، معانی، بیان، بدیع، سلوک تصوف، طب، ریاضی طبعیات، فلکیات، ارضیات، ہیئت، منطق، فلسفہ، جبر ومقابلہ، لوگارثم، توقیت، مرایا ومناظر، جفر، جغرافیہ، ارثماطیقی، زیجات اور دیگر علوم شامل ہیں۔ ان علوم میں سے بعض علوم آپ نے اساتذہ سے حاصل کئے اور بعض علوم آپ کے ایجاد کردہ ہیں۔ ۱۵

درج ذیل سطور میں امام احمد رضا قدس سرہ کی ان مجددانہ خدمات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جو سائنس بالخصوص طبعیات، فلکیات اور ارضیات سے متعلق ہیں۔ آپ کے جملہ تجدیدی کارناموں کو بیان کرنے کے لئے مجلدات درکار ہیں۔

علوم عقلیہ میں نظریات بالعموم بدلتے رہتے ہیں۔ سائنس خود ترقی پذیر ہے۔ مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں حاصل ہونے والے اصول ایک ہی نہج پر نہیں رہتے۔ ترقی پذیر شے مکمل نہیں ہوتی بلکہ منزل کی تلاش میں رواں دواں رہتی ہے۔ عقل، تجربہ اور مشاہدہ معیارِ صداقت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ جن قوموں نے موجودات اور مشاہدات کو معیار صداقت بنایا وہ دین سے بیگانہ ہوگئی۔ الطاف حسین حالی کی زبانی سنیئے:

"اس معیار نے جو نتائج مذاہب کے حق میں پیدا کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ تمام قومیں جو علم اور تمدنی ترقی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور سب رفتہ رفتہ مذہب سے دست بردار ہو جاتی ہیں" ۱۶

اس کے برعکس قرآنی حقائق، حدیث کے ارشادات اور دینی اصول غیر متبدل اور مکمل ہیں۔ معیارِ حق و صداقت ہیں۔ اس لئے حق یہ ہے کہ علومِ فطری، طبعیات، ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے تصورات کو غیر متبدل دینی حقانیت پر پیش کیا جائے۔

اگر قرآنی نصوص، حدیث کے ارشادات اور دینی حقائق اس کی تصدیق کر دیں تو فبہا ورنہ ان کو اسلامی حقائق کے مطابق ڈھال لیں۔ ۱۷

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں یہی معیار بتایا، اسی پر عمل کو راہ ہدایت اور معیارِ صداقت ٹھہرایا۔ اس کے ماسوا کو ہلاکت اور ضلالت سے تعبیر کیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ سائنس کو اسلام کے معیار پر پرکھو۔ ان کے متعدد جلیل القدر تصانیف:

۱۔ معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

۲۔ فوز مبیں در رد حرکت زمین (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

۳۔ نزول آیات فرقان بسکونِ زمین وآسمان (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

اور فتاویٰ رضویہ میں اس حقیقت کا بیان دیکھا جا سکتا ہے۔

طبعیات، ارضیات، فلکیات اور دیگر سائنسی علوم میں عام تصور یہ ہے کہ ان علوم کے اصول و قواعد فطری ہیں یعنی موجودات خود موجود ہیں۔ کسی ایجاد کرنے والے کے محتاج نہیں۔ بظاہر یہ اصول سادہ اور

بے ضرر ہے مگر اس کو قبول کر لینے سے خالق موجودات و حقائق پر ایمان حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے ضروری ہے کہ ان اصولوں، حقائق اور موجودات کے خالق کی قدرت پر ایمان کو مضبوط کیا جائے۔ خالق باری تعالیٰ کی قدرت پر ایمان وایقان کی صورت میں پریشان نظری، بے دینی اور الحاد کا رستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ کی موجودہ بے راہ روی دور ہو گی اور انشاء اللہ ایک حسین اسلامی انقلاب رونما ہو گا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ رضویہ اور تصانیف میں جہاں سائنسی علوم کی غلطیوں کی نشان دہی فرمائی وہیں ذہنوں کو خالق باری عزاسمہ کی قدرت کے قریب کیا۔ عقلیات پر احادیث طیبہ میں بیان حقائق کو فوقیت دی۔ عقلی و نظری تصورات اگرچہ تجربہ ومشاہدہ سے کتنے ہی مؤید ہوں احادیث طیبہ اور اسلامی معتقدات پر کسی طرح فائق نہیں۔ آپ نے پیکر حسن وجمال، مصدرِ کرم وکمال، منبع جودونوال سرجملہ اسرار، علت ہر علت سبب ہر سبب، مظہر قدرت جان عالم حضور پر نور ﷺ کی جانب ملت کا رخ موڑ دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوب تجزیہ کیا:

"اقبال نے مسلمانوں کے ذہن وفکر کو قرآن پاک کی طرف موڑ دیا اور مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کے قلوب کو صاحب قرآن کی طرف موڑ دیا"۱۸

زمین وزماں تمہارے لئے
مکین ومکاں تمہارے لئے
چنین وچناں تمہارے لئے
بنے دوجہاں تمہارے لئے۱۹

برعظیم پر انگریزی تسلط کے دورِ مغلوبیت میں امام احمد رضا قدس سرہ کی آواز اسلامی غلبہ و تفوق کی علامت ہے۔ انگریز سائنس دانوں کے نظریات کو ناقابل تردید دلائل سے رد کیا اور اس کا برملا اظہار کیا۔۲۰-۲۱

زلزلہ کے بارے میں ایک مقبول نظریہ یہ ہے کہ سطح زمین کے اندر گرم مواد موجود ہے جب کبھی یہ آتشی مواد زمین کے کسی نرم حصہ کو پھاڑ کر باہر نکلتا ہے تو زمین کی اس جنبش کو زلزلہ کہتے ہیں۔ علم ارضیات کے اس مقبول عام نظریہ سے دو خرابیاں واضح ہیں:

ا۔ آتشیں مواد کے خارج ہونے سے زمین کی جنبش کو اگر زلزلہ کا سبب مان لیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک بر عظیم کی پوری زمین میں زلزلہ کیوں نہیں آتا جبکہ سطح زمین باہم متصل ہے۔ زمین کے ایک حصہ پر زلزلہ کا ہونا اور دوسرے پر نہ ہونا کیوں کر ممکن ہے حالانکہ ایسا واقع ہے۔

۲۔ زمین کی جنبش اگر از خود ہو تو الحاد و دہریت کا دروازہ کھل جائے گا۔ زلزلہ اگرچہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو خالق ارض و سماء کی طرف توجہ اور میلان نہیں ہوتا۔ زلزلہ کے مقبول عام نظریہ کا یہ عظیم نقصان ہے۔

سردار مجیب الرحمٰن عطیہ دار علاقہ مجیب نگر، ڈاک خانہ مونڈا، ضلع کھیری، (انڈیا) نے ۲۶ صفر المظفر ۱۳۲۷ھ مارچ ۱۹۰۹ء کو امام احمد رضا قدس سرہ سے زلزلہ کے سبب کے بارہ میں سوال کیا۔ استفتاء میں موصوف نے ایک روایت کا حوالہ بھی دیا جو بعض کتابوں میں بیان کی گئی ہے کہ زمین ایک شاخ گاؤ پر ہے کہ وہ ایک مچھلی پر کھڑی رہتی ہے جب اس کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو دوسرے سینگ پر بدل کر رکھ لیتی ہے اس سے جو جنبش و حرکت زمین کو ہوتی ہے اس کو زلزلہ کہتے ہیں۔ روایت کے بعد وہی اعتراض پیش کرتے ہیں کہ زمین کے بعض حصہ کو جنبش ہوتی اور بعض حصے سکون میں رہتے ہیں۔ ۲۲

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"خاص خاص مواضع میں زلزلہ آنا اور دوسری جگہ نہ ہونا اور جہاں ہونا وہاں بھی شدت و خفت میں مختلف ہونا، اس کا سبب وہ نہیں جو عوام بتاتے ہیں۔ سبب حقیقی تو وہی ارادۃ اللہ ہے اور عالم اسباب میں باعث اصل بندوں کے معاصی: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ ۲۳
"تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے، تمہارے ہاتھوں کی کمائیوں کا بدلہ ہے اور بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے۔"

اور وجہ وقوع (زلزلہ) کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمام زمین کو محیط ایک پہاڑ پیدا کیا۔ جس کا نام قاف ہے ۲۴۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کے ریشے زمین میں نہ پھیلے ہوں۔ جس جگہ زلزلہ کے لئے ارادہ کیا ہوتا ہے والعیاذ باللہ ثم برحمۃ رسولہ جل وعلا ﷺ۔ ۲۵

قاف کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وہاں کے ریشے کو جنبش دیتا ہے۔ صرف وہیں زلزلہ آئے گا جہاں کہ ریشے کو حرکت دی گئی پھر جہاں خفیف کا حکم ہو گا اس کے محاذی ریشہ کو آہستہ ہلاتا ہے جہاں شدید کا

امر ہے وہاں بقوت۔ یہاں تک کہ بعض جگہ صرف ایک دھکا سالگ کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی وقت دوسرے قریب مقام کے درودیوار جھونکے لیتے اور تیسری جگہ زمیں پھٹ کر پانی نکل آتا ہے یا خفیف حرکت سے مادہ کبریتی مشتعل ہو کر شعلے نکلتے ہیں، چیخوں کی آواز پیدا ہوتی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ۲۶

گویا زلزلہ کے تین سبب ہیں:

۱۔ حقیقی سبب ارادہ الٰہی ہے، جہاں ارادہ الٰہی ہو گا زمین کے اسی حصہ پر زلزلہ آئے گا۔

۲۔ بندوں کے اعمال، جن کی بناء پر زمین کو حرکت دی گئی اور بندوں کو اپنے کئے کی جزا ملتی ہے۔

۳۔ کوہِ قاف کے ریشوں کی حرکت، اللہ تعالیٰ زمین کے جس حصہ پر زلزلہ کا ارادہ فرماتا ہے اسی حصہ کے ریشے کو جنبش دیتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے نظریہ کی تائید میں دو دلیلیں نقل فرمائی ہیں۔ ایک حدیث شریف، دوسری مثنوی مولانا روم کے اشعار، حدیث کی روایت یوں کرتے ہیں:

"امام ابو بکر ابن ابی الدنیا کتاب العقوبات اور ابو الشیخ کتاب العظمۃ میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی:

"قال خلق اللہ جبلا یقال لہ ق محیط بالعالم وعروقہ الی الصخرۃ التی علیہا الارض فاذا اراد اللہ ان یزلزل قریۃ امر ذلک الجبل فحرک العرق الذی یلی تلک القریۃ فیزلزلہا ویحرکہا فمن ثم تحریک القریۃ دون القریۃ۔ ۲۷

اللہ عزوجل نے ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام قاف ہے وہ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے اس چٹان تک پھیلے ہیں جس پر زمین ہے۔ جب اللہ عزوجل کسی جگہ زلزلہ لانا چاہتا ہے اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے وہ اپنے اس جگہ کے متصل ریشے کو لرزش و جنبش دیتا ہے۔ یہی باعث کہ زلزلہ ایک بستی میں آتا ہے دوسری میں نہیں" ۲۸

مثنوی مولانا روم کے سترہ اشعار نقل فرمائے جن میں اسی حدیث کا مفہوم بیان ہوا ہے اس میں سے چند اشعار یوں ہیں:

من بہر شہرت رگے دارم نہاں
بر عروقم بستہ اطراف جہاں
حق چو خواہد زلزلہ شہرے مرا
امر فرماید کہ جنباں عرق را
پس بجنانم من آن رگ را البقہر
کہ بداں رگ متصل بودست شہر
چوں بگوید بس، شود ساکن رگم
ساکنم وزروئے فعل اندر تگم

امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ کے ابتداء میں اس کا جواب دیا۔ زلزلہ کے وقت زمین کے ایک حصہ کو حرکت ہوتی ہے جبکہ دوسرا حصہ ساکن رہتا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے نزدیک ترکیب اجسام جواہر فردہ سے ہے اور ان کا اتصال محال۔۔۔ اور جب زمین اجزائے متفرقہ کا نام ہے تو اس حرکت کا اثر بعض اجزاء کو پہنچنا بعض کو نہ پہنچنا مستبعد نہیں کہ اہل سنت کے نزدیک ہر چیز کا سبب اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے۔ جتنے اجزا کے لئے ارادۂ تحریک ہوا انہیں پر اثر واقع ہوتا ہے وبس۔"۲۹

سوال میں جس روایت کا حوالہ دیا گیا کہ بیل کے سینگ کے بدلنے سے زلزلہ آتا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قریب قریب ابتدائے آفرینش کے وقت ہوا جب تک پہاڑ پیدا نہ ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں:

عبدالرزاق و فریابی و سعید بن منصور اپنی اپنی سنن میں اور عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر و ابن مردویہ و ابن ابی حاتم اپنی تفاسیر اور ابو الشیخ کتاب العظمۃ حاکم بافادۂ تصحیح صحیح مستدرک اور بیہقی کتاب الاسماء اور خطیب تاریخ بغداد اور ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی:

قال ان اول شئ خلق اللہ القلم وکان عرشہ علی الماء فارتفع بخار الماء ففتقت منہ السموات ثم خلق النون فبسطت الارض علیہ والارض علی ظہر فاضطرب النون فمادامت الارض فاثبتت بالجبال۔۳۰

اللہ عزوجل نے ان مخلوقات میں سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس سے قیامت تک کے تمام مقادیر لکھوائے اور عرش الٰہی پانی پر تھا۔ پانی کے بخارات اٹھے۔ ان سے آسمان جدا جدا بنائے گئے پھر مولیٰ عزوجل نے مچھلی پیدا کی۔ اس پر زمین بچھائی۔ زمین پشت ماہی پر ہے۔ مچھلی تڑپی، زمین جھونکے لینے لگی۔ اس پر پہاڑ جما کر بوجھل کر دی گئی۔ کما قال تعالیٰ والجبال اوتادا وقال تعالیٰ والقی فی الارض راوسی ان تمید بکم۔۳۱

پروفیسر مولوی حاکم علی نقشبندی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ نے جو کچھ لکھا اس کے مطالعہ سے آپ کے نظریات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ چند جملے آپ بھی پڑھیں:

"قرآن عظیم کے وہی معنی لیتے ہیں جو صحابہ و تابعین و مفسرین و معتمدین نے لئے۔ ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جس کا پتہ نصرانی سائنس میں ملے مسلمانوں کو کیسے حلال ہو سکتا ہے"۳۲

"بفضلہ تعالیٰ آپ جیسے دیندار سنّی مسلمان کو تو اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ارشاد قرآن عظیم و نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم و مسئلہ اسلامی اجماع امت گرامی کے خلاف کیونکر کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اس وقت ہماری سمجھ میں اس کا رد نہ آئے جب بھی یقیناً مردود اور قرآن و حدیث و اجماع سچے۔ یہ ہے بحمد للہ شانِ اسلام۔۳۳

محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذاللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے۔ سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سے سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنسی اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس ہی کا ابطال اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی آپ ہی جیسے فہیم سائنس دان باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں"۔۳۴

ماخذ و مراجع

[1] الشورة الہندیہ (عربی) مصنفہ شہید آزادی مولانا فضل خیر آبادی، ناشر مکتبہ، چشتیاں، ضلع بہاول نگر۔

(ب) باغی ہندوستان اردو ترجمہ الشورة الہندیہ۔

مترجم: عبد الشاہد خاں شیروانی، ناشر مکتبہ قادریہ، لاہور۔

[2] باغی ہندوستان، مترجم محمد عبد الشاہد شروانی، ناشر مکتبہ قادریہ، لاہور (۲۹۴۷ء) ۱۶۱۔

[3] ایضاً، ص ۳۵۵۔

[4] حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی (۱۹۳۹ء) جلد اول، ص ۹۶۔

(ب) واقعات دار الحکومت دہلی، مصنفہ بشیر الدین احمد، مطبوعہ اردو کادمی دہلی (تیسر ایڈیشن ۱۹۹۵ء) اول، ص ۲۰۷۔

(ج) مقالات شبلی۔

(د) تذکرہ الرشید، مصنفہ عاق علی میر ٹھی، محبوب المطابع دلی، جلد اول، ص ۸۰۔

(و) حیات طیبہ، مصنفہ مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ دہلی، ص ۲۹۶۔

(و) مخزن احمدی، مصنفہ محمد علی، مطبوعہ مفید عام آگرہ، ص ۹۷۔

(ز) تریاق القلوب، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی۔

(ح) تبلیغ رسالت، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی، جلد ششم، ص ۶۵۔

(ط) ستارہ قیصرہ، مصنفہ غلام احمد قادیانی۔

(ی) تاج برطانیہ کی خرخواہی، مصنفہ الٰہی بخش، رحیم مرزائی، مطبوعہ گجرات (۱۹۱۱ء)۔

[5] واقعادار الحکومت دہلی، حصہ اول، ص ۲۰۳۔

[6] حیات جاوید، مصنوعہ الطاف حسین حالی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی (۱۹۳۹ء) جلد اول، ص ۲۰۴۔

[7] ایضاً، جلد دوئم، ص ۲۷۷۔

[8] سورۃ النحل: ۱۵، سورۃ لقمان: ۱۰۔

[9] سورۃ النباء: ۷۔

[10] دائرہ معارف اسلامیہ (اردو)، شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی، جلد ۱۱، ص ۴۸، ۴۹۔

[11] لغات فیروزی (اردو) مصنفہ مولوی میمحمد فیروالدین، مطبوعہ مفید عام پریس لاہور (۱۹۱۲ء) ص ۳۵۵۔

[12] حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا ظفر الدین بہاری مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، جلد اول، ص ۱۔

[13] ایضاً، ص ۲۔۳۔

[14] قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، مصنفہ ڈاکٹر لیاقت علی ڈپٹی کمشنر چکوال مطبوعہ چکوال، ص ۱۰۔۱۱۔

۱۵ (الف) الاجازات المتینیہ لعلماء مکۃ والمدینہ، مولفہ مولانا حامد رضا بریلوی۔
(ب) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا ظفر الدین۔
(ج) حیات امام اہل سنت، مصنفہ مولانا ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، ص ۳۔۴۔
۱۶ حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی۔(۱۹۳۹ء)، جلد دوئم، ص ۲۲۸۔
۱۷ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں، امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم، مولفہ محمد جلال الدین قادریہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء)، ص ۷۱ تا ۷۷۔
۱۸ اعلیٰ حضرت ایک جامع شخصیت از میاں محبوب احمد چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ (مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۶ء، ص ۳۳)
۱۹ حدائق بخشش۔
۲۰ "معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین۔
۲۱ فوز مبین در رد حرکت زمین میں امریکی مہندس پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کا رد بلیغ ہے۔
۲۲ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، جل ۱۲، ص ۱۸۹۔
۲۳ سورۃ الشوریٰ: ۳۰۔
۲۴ اسی کوہ قاف کو لغات فیروزی میں شاعرانہ تصور سے تعبیر کیا گیا ہے۔(فقیر قادری عنفی عنہ)۔
۲۵ زلزلہ کی آفات سے بچاؤ کے لئے اس کی رحمت اور اس کے رسول کی رحمت کی پناہ مانگتا ہوں۔
۲۶ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۹۱۔
۲۷ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر، جلد ۶، ص ۱۰۲۔
اسی کے ہم معنی روایات تفسیر خازن، جلد ۴، ص ۱۷۴ تفسیر صادی، جلد ۴، ص ۱۱۵، ابن کثیر، جلد ۴، تفسیر رازی جلد ۲۸، ص ۱۵۴ میں ہیں۔ ابن کچیر کا ان روایت کو اسرئیلیات کہہ کر رد کر دینا باعث تعجب ہے۔(فقیر قادری عنفی عنہ)
۲۸ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۹۱۔
۲۹ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ۔
۳۰ الدر المنثور فی التفسیر بلماثور، مطبوعہ مصر، جلد ۶، ص ۲۴۹، ۲۵۰۔
۳۱ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲۔ ص ۱۹۰۔
۳۲ رسالہ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲۔
۳۳ محکومیت، مغلوبیت اور مرعوبیت کے دور میں اسلامی معتقدات پر ایسا ایمان بالجزم بڑے نصیب کی بات ہے۔(فقیر قادری عفی عنہ)
۳۴ ۔رسالہ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مشمولہ فتاویٰ الرضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، جلد ۱۲۔ ص ۲۸۸۔

امام احمد رضا کے سائنسی نظریات

مولانا فیضان المصطفیٰ مصباحی

رواں صدی کے اوائل میں ہندوستان کی سرزمین پر علم وحکمت کی ایسی عظیم شخصیت گزری جس کی حقیقی تصویر کشی تحریر وقلم کی پہنچ سے باہر ہے جسے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نام سے جانا جاتا ہے علم وفن کا وہ ایسا عبقری تھا کہ فقہ پریشان ہے اور عقل حیران کہ کون سا وہ علم ہے جس پر آپ کو عبور نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک بڑی تعداد ایسے علوم کی ہے جس میں امام احمد رضا کو مہارت تھی اور آج روئے زمین پر اس کا واقف مشکل ہی سے ملے گا، تاریخ کی یہ کتنی حیرت انگیز تصویر ہے کہ جسے زمانہ ایک مولوی سمجھ رہا تھا آج کے ماہرین اس کی علمی تحریریں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس مقام پر ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔

علم جفر جو چند اصول وقواعد کے ذریعہ غیبی امور کے جاننے کا نام ہے جس کا واقف اس دور میں شاید ہی کوئی ہو، اس میں امام احمد رضا کو خاصی دسترس تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"کہ علم جفر نہ کسی استاد سے سیکھا، نہ کسی سے مذاکرہ ہوا، بلکہ حضرت سید ابوالحسن نوری میاں مارہروی علیہ الرحمہ نے اس کا ایک قاعدہ تذکرۃً تعلیم فرمادیا تھا، اس ایک قاعدہ سے کئی اور قواعد معلوم کر لیے، پھر اس علم کی ایک اہم کتاب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہاتھ لگی۔ اس پر محنت صرف کی، گویا کہ جفر سے ہی سیکھا، اور اس میں ایک رسالہ "سفر السفر عن الفر بالجفر" لکھا، زیارت حرمین شریفین کے لیے حاضر ہوا تو سوچا کہ پوری دنیا کا مرکز ہے جہاں دنیا بھر کے اہل علم اکٹھا ہوتے ہیں۔ شاید کوئی ایسا ملے جو علم جفر کا ماہر ہو تو اس سے اس کی تکمیل کرلیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ مولانا عبدالرحمن دھان مکی اس کے ماہر ہیں۔ یہ سن کر خوشی ہوئی ملاقات ہوئی اور کئی گھنٹے خلوت رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قواعد مولانا عبدالرحمٰن دھان کے ناقص تھے ان کی قدرے تکمیل ہوگئی"۔ مولانا سید حسین مدنی عرب سے بریلی تشریف لائے اور چودہ مہینے بریلی شریف میں قیام کرکے اعلیٰ حضرت سے علم جفر کا درس لیا۔ ان کے لیے اور دیگر عرب علماء کے لیے امام احمد رضا نے علم جفر و تکسیر میں ایک مستقل رسالہ "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" بزبان عربی املا کرایا۔ جب انہوں نے علم جفر کے قواعد کے تکمیل کرلی تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پاس جس قدر بھی مسودے نسخے اور زائچے خود طبع زاد تھے سب رخصت ہوتے وقت انہیں کے حوالے کردیا اور ہمیشہ کے لئے اس علم سے دست بردار ہوگئے۔

موجودہ ترقی یافتہ دور میں علوم کے جتنے شعبے اب تک دریافت کیے ہیں ان تمام میں نہ صرف یہ کہ آپ کی دسترس کے شواہد موجود ہیں بلکہ آپ کے تصنیفات میں ان کی اعلیٰ تحقیقات بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جس شعبہ میں آپ کی علمی خدمات سے لوگوں کو واسطہ پڑا اس شعبے آپ کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی اور جس سے واسطہ نہ پڑا وہ اب تک پردۂ خفا میں ہے، انہیں میں ایک سائنس بھی ہے۔ امام احمد رضا کو سائنس میں کس قدر دسترس تھی؟ ان کے سائنسی تخیلات کی حد کیا تھا؟ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے بجائے اگر میں یہ کہوں کہ امام احمد رضا ماضی قریب کے ایک ایسے سائنسدان کا نام ہے جس کی سائنسی تحقیقات اور تحریریں ماضی اور حال کے تمام سائنسدانوں کے لئے ایک چیلنج ہیں تو

شاید لوگ مجھے غلط تصور کریں گے، لیکن اس کے باوجود حقیقت کا انکار کسی کے بس کی بات نہیں، چاہے وہ کھلی ہو یا چھپی۔

دراصل اشیاء کے حقائق دریافت کرنے اور انہیں پرکھنے کا نام سائنس ہے۔ مگر امام احمد رضا کے سائنسی نظریات کا محور اسلامی نظریات ہیں، کیونکہ موجودہ سائنس آزاد اور بے لگام ہے، اس کیلئے کوئی دائرہ نہیں۔ جبکہ امام احمد رضا کی سائنس اسلامی دائرہ میں گردش کرتی ہے اور شریعت و حقیقت سے تجاوز نہیں ہوتی۔ یہ اس ایمان ویقین کی بنا پر ہے جو اسلامی نظریات کی حقانیت کے سلسلے میں آپ کو تھا۔ اس کا ایک واضح اشارہ آپ کے کلام میں ملتا ہے کہ جب آپ کے سامنے تجویز پیش کی گئی کہ اسلامی لٹریچر کو سائنسی طرز فکر کے مطابق کر دیا جائے تو آپ نے فرمایا؛ سائنس اس طرح مسلمان نہ ہوگی، ایسے تو اسلام نے سائنس کو قبول کیا، نہ کہ سائنس نے اسلام، بلکہ اس کا طریقہ یہ کو وہ اسلامی نظریات جن سے سائنس متصادم ہے انہیں ثابت کیا جائے اور سائنسی طرز فکر سے ہی انکی حقانیت واضح کی جائے۔

ایسا آپ نے عملی طور پر کر کے بھی دکھایا کہ بعض وہ اسلامی نظریات جن سے سائنس دان اختلاف کرتے ہیں، انہیں ثابت کرنے کیلئے آپ نے بھرپور کوشش کی، چنانچہ موجودہ سائنس دان نظام کائنات کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ سورج اس کا مرکز ہے جو ساکن ہے، زمین اس کے گرد ایک سیارے کی حیثیت سے گھوم رہی ہے جس دن رات اور موسم کا اختلاف ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی نظریہ یہ ہے کہ زمین ساکن ہے، سورج گردش کر رہا ہے اور سورج کی گردش سے ہی دن رات اور موسم کا اختلاف ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

"بیشک اللہ روکے ہوئے ہے آسمان اور زمین کو تاکہ جنبش نہ کریں، اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا، بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے"[۱]

سائنس اپنے نظریہ کی تائید میں بیشمار دلائل پیش کرتی ہے مگر امام احمد رضا نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب "فوزمبین درر دحرکت زمین" تصنیف فرمائی جس میں پچاس دلائل سے سائنس کے نظریات اور دلائل کی بین تردید فرمائی کہ مجالِ دم زدن نہیں، پھر اس کے بعد چوّن (۵۴) دلائل قاہرہ

سے زمین کا سکون ثابت کیا، یعنی پورے ۱۰۴ دلائل عقلیہ سے سائنسی نظریہ کو رد کیا اسلامی نظریہ کا اثبات کیا۔ پوری کتاب علم ہیئت، ہندسہ لگارثم، ریاضی اور فلکیات کی شاہکار ہے۔ اس میں زمین کی حرکت ماننے پے بیشمار استحالے ثابت کیئے ہیں۔

امام احمد رضا کی پانچ سو سے زائد تصنیفات مختلف مقامات پر سائنسی تحقیقات سے لبریز ہیں، خصوصاً فتاویٰ رضویہ میں جگہ جگہ نادر سائنسی تحقیقات ملتی ہیں، چنانچہ پانی کا رنگ کیا ہے اس سلسلے میں آپ کی تحقیقات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ پانی کے بے رنگ ہونے پر آپ نے اعتراض کیا ہے ،یوں ہی پانی نیلا اور سفید ہونے پر بھی اعتراض کیا ہے، پھر آپ نے تجربات وشواہد سے ثابت کیا ہے کہ پانی کا رنگ خفیف سیاہ مائل ہے۔

"ھدایۃ المتعال فی حدالاستقبال" میں جہت قبلہ سلسلہ میں آپ نے انفرادی تحقیقات فرمائی ہیں، اور ثابت کیا کہ قطب ستارہ کو داہنی طرف مان کر سمت مواجہہ میں قبلہ ہونے کا اصول درست نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بریلی کی مسجدیں قبلہ سے دور درجہ شمال اور ممبئی کی بیشتر مساجد قبلہ سے دس درجہ جنوب کو ہٹی ہوئی ہیں، اس سلسلہ میں قبلہ کی تعین کیلئے ایسے اصول ایجاد کیے کہ خود فرماتے ہیں:

"ان پر عمل کرتے ہوئے اگر سارے حجابات ہٹادیے جائیں تو قبلہ عین نگاہ کے سامنے ہوگا"

اس سلسلہ میں آپ کا رسالہ "کشف العلۃ عن سمۃ القبلۃ" مستقل تصنیف اور لائق مطالعہ ہے اپنی "الکشف شافیا الاحکام فنوجرافیا" میں آواز کے سلسلے میں آپ نے بڑی نادر سائنسی تحقیقات فرمائی ہیں جو آپ ہی کا حصہ ہے۔ جس میں آپ نے آواز کی حقیقت اور صوتی تموج کی کامل تحقیق فرمائی ہے۔ علم الہندسہ (جیومیٹری) کا تفصیلی تذکرہ آپ کی تصنیفات مثلاً شمائم العنبر، فتاویٰ رضویہ، فوز مبین، کشف العلۃ وغیرہ میں جابجا ہے۔ علم الارض سے متعلق آپ کی تحقیقات اجتہادی درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر رسالہ "حسن التعمم لبیان حدالتیمم" میں ہے، جس میں جنس ارض سے ہونے کیلئے پانچ صفات، جلنا، پگھلنا، نرم پڑنا، راکھ ہونا، آگ سے نرم ہو کر مائع صنعت ہو جانا، بیان کر کے بتایا کہ اصل میں یہ سب تین یادہ کی طرف راجع ہیں۔ ان کی تحقیقات میں آپ نے ایسے ایسے پتھروں کا بیان کیا ہے

جو پوری دنیا میں ایک دو ہی خطہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن جن پتھروں سے تیمّم جائز ہے فقہائے کرام نے اس کی جتنی قسمیں بتائیں ہیں آپنے اس پر ایک سو سات اقسام کا اضافہ کیا ہے، جس میں پوری تشریح و تفصیل ہے، ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں: ''یوں ہی جس درودیوار یا چھت پر صندلہ یا سمنٹ پھرا ہو، جس درودیوار پر بالوتر ہو، جس پر بادامی، لاکھی، سرخ، سبز، زرد، دھانی، آسمانی کتھئی، زنگاری، خاکی، فاختئی، پیازی، فیروزی، رنگتیں ہوں کہ اگرچہ سرخ میں شنجرف، سبز میں منصوع تایا، آم کی چھال، بکائن کے پتے، زرد میں کبھی ملتانی کے سواٹیسو کے پھول، دھانی میں کبھی سبز گل کے سوا وہی توتیا چھال، آسمانی میں کولا مصنوع، لاجورد، کتھئی میں ببول کی چھال، زنگاری میں سبز توتیا، خاکی میں کولا، فاختئی میں لاجورد، پیازی میں پیوڑی، فیروزی میں توتیا وغیرہ وغیرہ اشیائے غیر کی آمیزش ہے۔ مگر بہر صورت اصل گئی ہے، اس کا حصہ کثیر و غالب اور ان کا خط اس میں رنگت لانے کیلئے ہوتا ہے، پکی قبر کے وہاں ظن نجاست نہیں، سنگ مرمر، سنگ موسیٰ، سنگ سپید، سنگ سرخ، چوکا گہرا سبز، سنگ ستارہ سرخی مائل بہت چمکدار ذرے ذرے نمایاں، گتودنتی سپید نیلگو جھلکدار اس کے نگینے بھی بنتے ہیں، حجر الیہود، مقناطیس، سنگ سماق جس کے کھرل مشہور ہیں، سان، سلی، کرنڈ، کسوٹی، چقماق، ریل کو کولا کہ پتھر ہے، سلیٹ، ترکستان کا وہ پتھر کہ لکڑی سا جلتا ہے، شام شریف کا وہ پتھر کہ آگ میں ڈالے سے لپٹ دیتا ہے، صقلبہ کا وہ پتھر کہ گرم پانی سے مشتمل ہوتا ہے اور تیل سے بجھتا ہے، حجر الفتیلہ جس کی بتی بنا کر جلاتے ہیں، ان چاروں پتھروں کا بیان اوپر گزرا، بلور معدنی پتھر ہے''۲

آپ نے یہ تحقیق بھی پیش کی کہ سورج افق پر نمودار ہونے سے پہلے، یوں ہی ڈوب جانے کے بعد بھی کیوں دکھائی دیتا ہے؟ جس میں بتایا کہ شعاعیں سفر کرتی ہوئی ملاء کثیف سے ملا لطیف میں جب داخل ہوتی ہیں تو کس طرح منعطف ہو جاتی ہیں، جیسے پانی میں کوئی ڈنڈا یا چھڑی اس طرح ڈالی جائے کہ کچھ حصہ پانی میں ہو اور کچھ باہر، تو پانی والا حصہ کج معلوم ہوگا۔ آپ نے زمین اور دیگر سیاروں میں کشش ثقل ماننے سے انکار کیا ہے اور اشیاء کے اوپر سے نیچے آنے کے سبب خود اس ثقیل شئے کا اقتضا بیان کیا ہے۔ سمندر میں مدوجذر کا سبب چاند قرار دینے پر آپ نے زبردست اعتراضات کیے ہیں، ان میں ایک

اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر چاند ہی سبب مد وجذر ہے تو پھر دریاؤں اور بڑے تالابوں میں مد و جذر کیوں نہیں، کیا یہاں چاند بے اثر ہو گیا؟ پھر آپ نے سمندر کے مد و جذر کی وجہ کی طرف اشارہ اس حدیث سے کیا ہے جس میں فرمایا گیا کہ "ان تحت البحر نارا" مگر چونکہ طبعیات کے اسباب وعلل کی تحقیق کو آپ نے اپنا منصب نہیں بنایا ورنہ تھوڑی توجہ فرمادیتے تو مسلمانوں کو مغربی سائنسدانوں سے بے نیاز کر دیتے۔

"نہیں، کہ پانی میں بالطبع خلا بھرنے کی قوت رکھی گئی ہے، ضرور ہے کہ جو مسائم فرض کیے جائیں وہ پانی کہ ان سے اوپر ہے ان کی طرف اترے گا اور انہیں نہ بھرے گا اور مسائم ہونے پر فلسفہ جدیدہ کی یہ دلیل کہ شکر ڈالنے سے پانی میں حل ہو جاتی ہیں اور اس کا حجم نہیں بڑھتا مقبول نہیں، جب زیادت قدر احساس کو پہنچے گی ضرور حجم بڑھنا محسوس ہو گا۔ مگر ایک استدلال اس پر یہ خیال میں آتا ہے کہ حوض کے کنارے ایک شخص کھڑا ہے دوسرا غوطہ لگائے اور باہر والا شخص باآواز پکارے اگر مسام ہیں تو ضرور سنے گا اور سنتا ہے، تو معلوم ہوا کہ مسام ہیں، بخلاف اس کے ایک کمرہ صرف آئینوں سے فرض کیجیے جس میں کہیں روزن نہ ہو، اس کے اندر کی آواز باہر نہ آئے گی اور باہر کی اندر نہ جائے گی، اگرچہ اندر باہر دو شخص متصل کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو باآواز بلند پکارے۔ مگر یہ استدلال بھی کافی نہیں۔ آواز پہنچے کے لئے خلائے فاصل میں تموج چاہیے، مسام کی کیا حاجت۔ ہاں جہاں تموج نہ ہو بذریعہ مسام پہنچے گی، آئینے میں نہ تموج نہ مسام، لہٰذا نہ پہنچے گی، پختہ وخام عمارت میں تموج نہیں منافذ و مسام ہیں ان سے پہنچتی ہے آب وہوا خود اپنے تموج سے پہنچاتے ہیں اور یہی اصل ذریعہ صوت ہے۔ ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی سے الطف ہے وہ زیادہ پہنچاتی ہے اور پانی، تالاب میں دو شخص دونوں کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ مارے دوسرے کو آواز پہنچے گی مگر نہ اتنی جتنی کہ ہوا میں۔"[۳۲]

فتاویٰ رضویہ اول میں یہ تحقیقات موجود ہیں کہ آئینہ میں دراڑ پڑ جائے تو وہاں سفیدی کیونکہ معلوم ہوتی ہے؟ پانی جم کر برف بن کر سفید کیوں نظر آنے لگتا ہے؟ بلور اور شیشہ وغیرہ پسنے سفید کیوں نظر آتے ہیں؟ کان کی ہر چیز گندھک اور پارہ کی اولاد ہے؛ وغیرہ۔ یوں ہی آج کل میڈیکل سائنس کا یہ نظریہ کہ بہت سے امراض متعدی ہوتے ہیں، اسے بھی آپ نے تسلیم نہیں کیا، اس سلسلے میں آپ کا

ایک مستقل رسالہ ہے، آپ کا نظریہ ہے کہ دراصل کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں تو اس کے لئے اللہ ان امراض کو ان کے حق میں متعدی بنادے گا، کہ ارشاد ہے! انا عند ظن عبدی بی

وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ آپ کی سائنسی تحقیقات بھی کام ہو رہا ہے اور ریسرچ اسکالر اس سلسلے میں مصروف ہیں، خصوصاً آپ کی مذکورہ تصنیف "فوز مبین دررد حرکت زمیں" کی طرف محققین کی توجہ کی شدید ضرورت ہے جس کی طرف اب محققین بڑھ رہے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں آپ کی شخصیت اور کارناموں پر تحقیقات جاری ہے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ سورۂ فاطر ۴۰۔۲۳، رکوع ۲۔

۲۔ فتاویٰ رضویہ اول، ص:۶۹۷۔

۳۔ الملفوظ اول، ص:۱۴۸۔

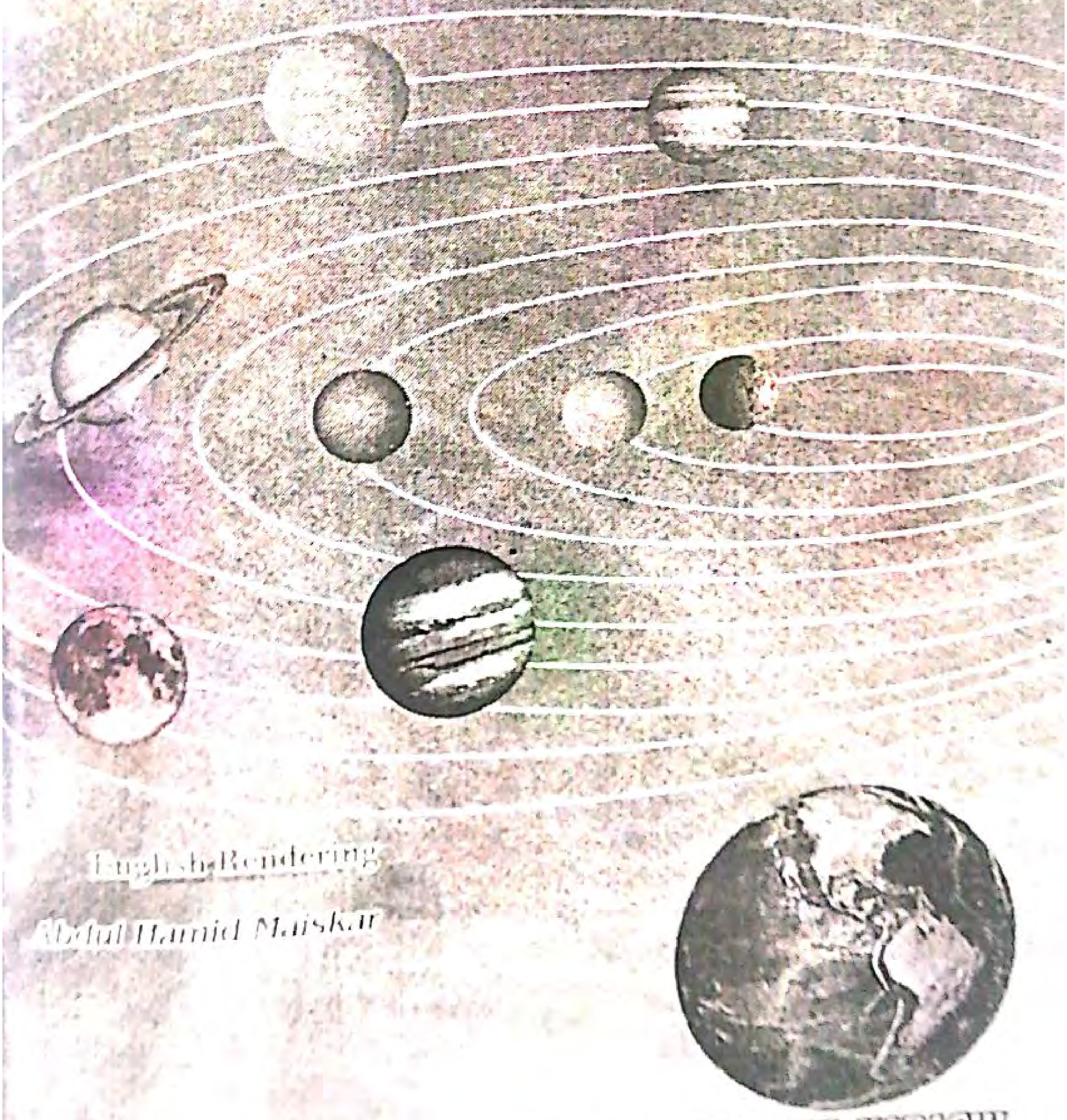
A FAIR SUCCESS

REFUTING MOTION OF EARTH

FAUZ-E-MUBEEN

DAR RAD-DE-HARKAT-E-ZAMEEN

A'la Hazrat Imam Ahmad Raza Khan



English Rendering

Abdul Hamid Naiskar

IDARA TAHQEEQAT-E-IMAM AHMAD RAZA, INT'L KARACHI.
www.imamahmadraza.net

امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چیئرمین شعبہ پیٹرولیم ٹیکنالوجی، جامعہ کراچی۔

ارشادِ ربانی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ۱

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پوچھنے والے پر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ میرے علم والوں سے کیا سوال کرنا اور کیا نہ پوچھنا بلکہ کھلی اجازت دے دی کہ میری جانب سے علم دیئے جانے والوں سے کسی بھی زمانے میں کسی بھی علم و فن یا کسی بھی علم کی شاخ در شاخ سے متعلق جو بھی سوال کرنا چاہو سوال کرنا ہمارے اہل علم تم کو تشفی بخش جواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ۲

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کیلئے ہر زمانے میں ایسے ذہن پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی ذہانت میں اس کو الحمد سے الناس تک یاد رکھا یہ انسان کی اپنی کوئی طاقت نہیں کیونکہ اس نے ذمہ لے لیا اس لئے اس مخلوق انسانی سے چند کو ہر زمانے میں انتخاب فرما کر اس کے ذہن میں محفوظ فرما دیتا ہے اور یہ حفظ قرآن کا سلسلہ قیامت تک ایسے ہی جاری رہے گا اور اس کے اس چیلنج کو حفاظ قرآن پورے کرتے رہیں گے اگرچہ وہ انسان اور حفاظ کا محتاج نہیں مگر انسانوں کے درمیان اس کو انسانوں کے ذریعہ ہی محفوظ رکھا ہے۔ اس کے حفاظ در حقیقت حروف کے جاننے والے ہیں وہ حروف سے حروف کو ملا کر پورا قرآن سنا دیتے ہیں لیکن حفاظ کی اکثریت حروف کی معنویت اور حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتی۔ خداوند کریم نے اس کا بھی انتظام فرمادیا کہ جب کبھی دنیا میں کوئی انسان کوئی سا بھی سوال کرے اور اس سوال کا تعلق زمانے کے کسی بھی علم و فن سے ہو حروف کی حقانیت جاننے والا اس کا جواب دے دے گا۔ حروف کی حقانیت، معنویت، مقصدیت جاننے والے کو قرآن نے "اھل الذکر" بتایا ہے۔ اھل الذکر کی بہت ساری اقسام ہیں:

۱: پہلی قسم۔ جو مخصوص علم جانتے ہیں اس کے علاوہ علوم نہیں جانتے

۲: دوسری قسم۔ مخصوص علم جاننے والے بھی دو اقسام کے ہیں۔

(الف) وہ جو صرف ظاہر مخصوص علم یا اس کی شاخ کو جانتے ہیں مگر اس علم کی حقیقت سے واقفیت نہیں رکھتے۔

(ب) ظاہراً بھی جانتے ہیں اور حقیقت سے بھی آشنائی رکھتے ہیں مگر حقیقت کی اصل سے واقفیت نہیں رکھتے۔

۳: تیسری قسم۔ چند مخصوص علم میں مہارت یا دسترس رکھتے ہیں باقی میں کم

۴: چوتھے۔ صرف دنیاوی یا دینی علوم پر دسترس رکھتے ہیں۔

۵: پانچویں۔ دنیاوی اور دینی اکثر علوم میں دسترس رکھتے ہیں۔

۶: چھٹے۔ تمام دنیاوی اور دینی علم کا ادراک رکھتے ہیں۔

ان اقسام کے مزید تقسیم ممکن ہے مگر احقر نے صرف سمجھانے کے خاطر یہ خاکہ بتایا ہے اس میں ہر شخص "فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ" میں اپنی صلاحیت کے مطابق شمار کیا جا سکتا ہے کہ تم اس علم کے اہل علم سے معلوم کر لو وہ تم کو جواب دے دیں گے مگر ایسے اشخاص کم کم ملیں گے جو اس آیت کی مکمل تفسیر بن جائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء کو تو ہر زمانے میں ان کے امتیوں کے مقابلے میں مکمل علم عطا فرمایا یہاں تک نبی الانبیاء علیہ سلام کو کل کائنات کے علم عطا فرمادیا کہ جو بھی آپ سے سوال کیا جائے آپ اس کو جواب دے سکیں اس کے لئے قرآن نے سند عطا فرمادی:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ ۳؎

"اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے"

نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کا سلسلہ کیونکہ جاری ہے اور آپ نے ظاہری پردہ فرما کر دوسری دنیا کو اپنے وجود مسعود سے رونق بخشی ہوئی ہے اس لئے دنیا میں قیامت تک آپ کی ظاہری کمی کو علماء ربانیین پورا کرتے رہیں گے جو در حقیقت آپ کے ہی فیض و کرم سے آپ کے نائبین ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں حضور ﷺ کے نائبین کو بھی اس زمانے کے تمام علوم و فنون میں یکتائے روز گار بناتا ہے تاکہ اگر ان سے کوئی سوال کرے تو وہ ہر سوال کا جواب دے دیں ورنہ دین پر، اسلام، پر قرآن پر، صاحب قرآن پر اور صاحب قرآن کے بھیجنے والے پر حرف آئے گا کہ وہ نہیں جانتا (معاذاللہ) اس لئے دنیا میں خداوند کریم ایسی عبقری شخصیات کو بھیجتا رہتا ہے ایسی ہی ایک عبقری شخصیت، نائب رسول اور فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ کی جامع تفسیر کی شکل میں ایک ذات امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی ہے۔ ان کی ۵۵ سالہ علمی زندگی میں جس کسی نے جس شعبہ سے جس نوعیت کا بھی سوال کیا آپ نے اس علم کی اصطلاحات اور اس علم کی روشنی میں اس کا بھرپور تسلی بخش اور صحیح جواب عطا فرمایا۔ یہاں سوال جواب کے بجائے ان کی علمی بصیرت، قرآن کریم کی فہم اور سائنسی اصطلاحات وعلوم سے متعلق دو چار مثال پیش کروں گا۔

امام احمد رضا کے علوم وفنون کے مرکز قرآن حکیم ہے۔ امام احمد رضا ترجمہ قرآن میں اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ جس آیت سے جس علم پر روشنی پڑتی ہے اس آیت کا ترجمہ اسی علم کی مصطلحات میں کرتے ہیں۔ امام احمد رضا واحد مترجم قرآن ہیں جن کو علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ یعنی موجودہ سائنسی علوم پر بھی سو سے زیادہ رسائل اور کتابیں اردو، فارسی اور عربی زبان میں مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں افسوس کے صرف چند زیور طباعت سے آراستہ ہو سکیں۔ یہاں سائنس وحکمت وفلسفہ کے حوالے سے چند امثال پیش کر کے امام موصوف کی ان علوم پر دسترس کی طرف توجہ دلا رہا ہوں مثال ملاحظہ کیجئے:

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ [۴]

"اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا پانی کا دھوکہ دیتا"

امام احمد رضا کے اس ترجمہ قرآن کو پڑھ کر علوم عقلیہ کا ماہر خاص کو علوم ارضیات وطبیعات کا ماہر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولانا نے "سرابا" کا جو ترجمہ کیا ہے یہ اس وقت تک ممکن ہے جب تک کہ وہ اس عمل سے واقف نہ ہو کیونکہ تیز گرمی میں ریگستانوں میں یا کسی بھی سطح ہموار پر پانی ہونے کا شبہ ہوتا ہے اور جوں جوں وہ قریب جاتا ہے وہ پانی دور ہوتا جاتا ہے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ یہ میرا دھوکا ہے۔ امام احمد رضا ساتھ ہی ساتھ مفسرین اور ماہرین لغت سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ مفسرین اور ماہرین لغت "سرابا" کے متعلق کی فرماتے ہیں:

تفسیر خازن:

(فکانت سرابا): ای هبا منبثا کالسراب فی عین الناظر

ریت کے ذرات جو دور سے دیکھنے میں (پانی کی طرح) چمکتے ہیں انہیں سراب کہا جاتا ہے۔

تفسیر مدارک:

(فکانت سرابا): ای هبا تخیل الشمس انه ما

ریت کے ذرات جو سورج کی روشنی میں پانی کی طرح چمکتے معلوم ہوں

مفردات القرآن: سراب اس کو کہا جاتا ہے جب شدت گرمی میں دوپہر کے وقت بیاباں میں جو پانی کی ریت چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اس کو سراب کہتے ہیں۔

ان دلائل سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ سراباً ایک قسم کا دھوکا ہے کہ جب ریگستان میں یا کسی ہموار سطح پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو دور سے پانی کی موجودگی کا دھوکا ہوتا ہے امام احمد رضا نے اس حقیقت کی ترجمانی فرما کر بتادیا کہ آپ کو اللہ نے قرآن فہمی کا کتنا وسیع ادراک دیا ہے جب کہ اردو زبان کے تمام مترجمین نے سراباً کا ترجمہ صرف ریت کیا ہے۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ دراصل قرآن پاک کی سورہ "القارعہ" میں قیامت میں پہاڑوں کی حالت بتائی جانے کے پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ القارعہ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ ۵

"اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی اون"

سورہ المرسلٰت میں ارشاد قدسی ہے:

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ۔ ۱۰

"اور جب پہاڑ غبار بن کر اڑا دیئے جائیں"

امام احمد رضا نے سراباً کا مفہوم وہ بیان کیا ہے جو روز قیامت نظر آئے گا۔ قیامت کے دن چونکہ زلزلوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگا جس کی وجہ سے پہاڑ سرکنا شروع ہوں گے، ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے زمین پر تھرتھراہٹ کے باعث بڑے بڑے گڑھے پڑ جائیں گے زمین اسی دوران اپنا لاوا (Lava) اگلے گی اور جب تمام لاوا ٹھنڈا ہو جائے گا اور زمین کی سطح پھر کسی حد تک ہموار ہو جائے گی لوگ دوبارہ زندہ کر کے اس زمین پر لائے جائیں گے اور سخت پیاس میں مبتلا ہوں گے تو یہ زمین دور سے چمکتی ریت کی طرح پانی کا دھوکا دے گی۔ لوگ پانی کی طرف دوڑیں گے مگر پانی ان کو نہ مل سکے گا کیونکہ اس وقت زمین

تانبے کی ہوگی اور اس تانبے کی زمین سورج کی شعاعیں پڑنے کے باعث اس کی سطح پر پانی کا گمان ہوگا۔
اس منظر کے پیش نظر امام احمد رضا سراپا کا ترجمہ نہایت ہی سائینٹفک طریقے پر کیا ہے۔

امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن میں آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام موصوف دینی معلومات کے ساتھ ساتھ عقلی اور سائنسی علوم کے بھی موجد اور امام ہیں۔ راقم کی ترجمہ قرآن کے مطالعہ کے دوران کئی آیات سامنے آئیں جن کا علوم ارضیات سے گہرا تعلق تھا اور علم ارضیات کی اصطلاح میں صرف امام احمد رضا کا ترجمہ ہی واحد ترجمہ ہے جب کہ تمام اردو زبان کے مترجمین نہ صرف علم ارضیات بلکہ کسی بھی علم کی اصطلاحات میں ان آیات کا ترجمہ نہ کر سکے۔ سورہ النزاعٰت کی مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے زمین کی بناوٹ سے متعلق ارشاد فرمایا اور امام احمد رضا نے اس کی اصطلاح میں ترجمہ کر کے قاری کو سمجھنے میں آسانی فرمائی ہے آیت اور ترجمہ ملاحظہ کریں:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۔ ۷

اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔ ۸

دیگر تراجم قرآن کا جب مطالعہ کیا تو اکثر مترجمین نے "دحٰھا" کے معنی پھیلنے کے بجائے "جماؤ" کئے ہیں جبکہ پھلنا اور جمانا دو مختلف مفہوم رکھتے ہیں۔ جمانے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کوئی چیز تہہ بہ تہہ جمتی ہے اور اس طرح آبی چٹانیں (Sedementary Rocks) بنتی ہیں اور یہ عمل دراصل پہاڑوں کے بننے یا جمائے جانے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں لفظ پھیلنے سے جو مفہوم ایک علم ارضیات کے طالب علم کے ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کسی چیز کے پھلنے سے اس کا حجم (یہاں رقبہ مراد ہے) بڑھے۔ علم ارضیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ زمین جب سے وجود میں آئی ہے برابر پھیل رہی ہے۔ ۹

یہ عمل اسی طرح جاری ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے سمندروں (Oceans) یعنی بحیرہ ہند، بحیرہ اوقیانوس وغیرہ میں بیچ و بیچ ۵ تا ۶ میل گہرے پانی کے نیچے سمندری خندقیں جن کو Oceanic Trenches بھی کہا جاتا ہے موجود ہیں۔ یہ خندقیں ہزار میل لمبی ہیں۔ ان خندقوں سے ہر وقت گرم گرم پگھلا ہوا لاوا (Lava) نکل رہا۔ جب نیا لاوا پھر نکلتا ہے تو وہ پہلے سے جمع شدہ لاوے کے تہہ کو دونوں جانب

سرکاتا ہے۔ خندق کے کنارے پر جو یہ عمل ہوتا ہے تو اس سرکنے سے پورا خشک براعظم بھی سرکتا ہے اور سمندر پیچھے کی جانب چلا جاتا ہے یعنی زمین کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ یہ عمل اگرچہ بہت خاموشی کے ساتھ اور بہت آہستہ ہوتا ہے مگر برابر جاری رہتا ہے۔ ۱۰

براعظم اسی عمل کی وجہ سے برابر پھیل رہے ہیں۔ اس پھیلاؤ کی رفتار مختلف براعظموں کی مختلف ہے۔ کوئی براعظم ہر سال ۲ سینٹی میٹر سمندر سے اونچا ہو جاتا ہے کوئی ۴ سینٹی میٹر۔ براعظم ایشیا کا برصغیر پاک وہند کا حصہ (Mount Everest) ہر سال ۱۲ اعشاریہ ۵ سینٹی میٹر ہر سال اوپر اٹھ جاتا ہے اس کو آسانی سے سمجھنے کے لئے بحیرہ ہند کا مطالعہ کریں یہ ہر سال پیچھے ہٹ جاتا ہے اس طرح سمندر کناروں کا حجم ہر سال بڑھ جاتا ہے۔ اس قدرتی عمل سے زمین برابر پھیل رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی نشاندہی سورہ النّٰزعات کی آیت میں فرمائی اور سوائے امام احمد رضا کے قدرت کے اس عمل کو سمندر کی ۶ میل تہہ کے نیچے کوئی اور نہ دیکھ سکا۔ امام موصوف نے باطنی علوم کی روشنی میں دیکھ لیا اس لئے انہوں نے اس قدرت کے عمل کو ترجمہ میں ارضیاتی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اپنی علمی وسعتوں کا اظہار کیا اور جامع ترجمہ کیا "اس کے بعد زمین پھیلائی" زمین کے پھیلنے کے اس عمل کو صرف امام احمد رضا جیسا سائنسدان ہی دیکھ سکے کیونکہ ظاہری لفظوں کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کا باطن بھی اللہ کی دی ہوئی فہم سے سمجھتے ہیں جبکہ اردو زبان کے تمام مترجمین قرآن آیت کا ترجمہ علم ارضیات کی روشنی میں نہ کر سکے جو علم کی متعلق آیت اشارہ کر رہی ہے۔

راقم الحروف علم ارضیات کا طالب علم ہے اور گزشتہ ۲۵ سال سے جامعہ کراچی کے شعبہ ارضیات میں علوم ارضیات کی تدریس میں مصروف عمل ہے اس لئے میری نظر جب قرآن پر پڑتی ہے تو میں آیات قرآن میں وہ قانون تلاش کرتا ہوں جو زمین کی پیدائش اور اس کے ارتقاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی بھی ترجمۂ قرآن میں مجھے علوم ارضیات سے متعلق خصوصاً اور دیگر سائنسی علوم سے متعلق عموماً ایسی اصطلاحات نہیں ملتیں جو ان علوم وفنون کے نشاندہی کریں مثلاً:

''علم ارضیات میں قانون عام ہے کہ زمین جب پیدا ہوئی تو یہ آگ کا گولا تھی اس کے بعد یہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی ٹھنڈا ہونے کے دوران یہ برابر ہچکولے کھاتی رہی یعنی اس میں تھرتھراہٹ تھی اور اس کو قرار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ زمین کے اوپر پہاڑ بننا شروع ہوئے، زمین اگرچہ اوپر سے ٹھنڈی ہوگئی مگر اس لے اندر (نیچے) گرم پگھلا ہوا لاوا مائع کی شکل میں موجود رہا۔ پہاڑ (آبی یا آتشی) سمندر کے نیچے بھی موجود ہیں اور یہ سب پہاڑ اسی گرم لاوا کے اوپر اسی طرح لنگر انداز ہیں جس طرح سمندری جہاز سمندر میں لنگر انداز ہوتا ہے۔ اس سمندری جہاز کو اس کے لنگر (Anchor) روکے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی جنبش یا تھرتھراہٹ کو پہاڑوں کے لنگر ڈال کر زمین کو روک رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین ہم کو ساکن محسوس ہوتی ہے۔ جب کبھی اس توازن میں فرق آتا ہے تو ان مقامات پر زلزلے آجاتے ہیں اور بعض اوقات بڑی بڑی دراڑوں (Deep Faults) کے ذریعے وہ پگھلا ہوا لاوا اوپر آجاتا ہے کیونکہ ان سخت پہاڑوں کے نیچے ہر جگہ یہ لاوا موجود ہے کہیں اس کی گہرائی ہزاروں فٹ میں ہے اور کہیں اس کی گہرائی کئی سو میل نیچے ہے۔ زلزلے کے وقت جو تھرتھراہٹ یا جنبش ہوتی ہے زمین اپنی پیدائش کے وقت اسی طرح کانپتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنا کر اس پر لنگر انداز کئے اور اس طرح اس زمیں کو سکون حاصل ہوا۔ اس سارے عمل کو ارضیات میں (Plate-Tevtonics) کہتے ہیں۔ ۱۱

قرآن مجید و فرقان حمید نے زمین کے متعلق کئی انداز میں تذکرہ کیا ہے اردو مترجمین قرآن نے ہر آیت کا ترجمہ تو بیشک کیا ہے لیکن ان آیات کے پیچھے جو علم کا سمندر ہے اس کو لفظی، لغوی ترجمہ کرنے والے سمجھنے سے قاصر رہے وہ صرف لفظی ترجمہ کر کے آگے بڑھ گئے مگر امام احمد رضا علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم ارضیات کے بھی ماہر ان کی نگاہ نے آیت کے پیچھے قدرت کے اس سارے عمل کو دیکھ لیا اور پھر ترجمہ کرتے وقت ان آیات کے لئے ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جو علوم ارضیات کی عکاسی بھی کر رہا ہے۔ آیئے سورہ انبیاء کی آیات کا مطالعہ کریں:

اَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ ۱۲

ترجمہ: ''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انہیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں کہ کہیں وہ راہ پائیں''۱۳؎

کیا جو لوگ منکر ہیں انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی آسمان و زمین دونوں کا ایک بھنڈا (ڈھیر) سا تھا تو ہم نے (اس کو توڑ کر) زمین و آسمان کو الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں بنائیں تو کیا اس پر بھی لوگ (ہم پر) ایمان نہیں لاتے اور ہم ہی نے زمین میں بھاری بوجھل پہاڑ (مواقع مناسب پر) رکھے تاکہ زمین لوگوں کو لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے اور ہم ہی نے اس میں چوڑے چوڑے راستے بنائے تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود کو جا پہنچیں۔۱۴؎

چند مزید ترجم ''وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم'' سے متعلق ملاحظہ کیجئے:

اور رکھ دئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ، کبھی ان کو لے کر جھک پڑے۔(مولوی محمود الحسن دیوبندی)

اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنادئے کہ ایک طرف ان کے ساتھ جھک نہ پڑے۔(ابوالکلام آزاد)

اور زمین میں ہم نے بھاری بھاری پہاڑ قائم کر دیئے کہ کہیں ان کو لے کر جھک نہ جائے۔(مقبول احمد دہلوی)

سورہ انبیاء کی ۳۱ویں آیت کریمہ کی جامعیت جو امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن میں پائی جاتی ہے وہ جامعیت دیگر تمام تراجم میں ناپید ہے اور دیگر مترجمین قدرت کے اس طریقے کو جان ہی نہ سکے کہ پہاڑ کس طرح قائم ہیں اور زمین کو سکون کس طرح برقرار رہے کیونکہ کوئی بھی مترجم (Isostatic Thoeory) کو نہیں سمجھتا اس لئے ترجمہ میں جو بات پوشیدہ ہے ضبط تحریر میں نہ لا سکا یہ صرف امام احمد رضا کی فکر کی گہرائی ہے کہ انہوں نے دو لفظوں کے چناؤ سے اس قدرتی طریق کو ترجمہ میں ظاہر کر دیا کہ پہاڑ تہہ بہ تہہ جمائے گئے ہیں مگر یہ لنگر انداز ہیں اور یہ کھلی حقیقت ہے کیونکہ جیولوجی سے تعلق رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کیونکر خاموش کھڑے ہیں۔

دیگر متراجمین نے جو بات انہونی کہی وہ یہ کہ زمین لوگوں کے بوجھ سے ادھر سے ادھر جھک جاتی ہے اس لئے پہاڑوں کی جمایا گیا جبکہ زمین انسانوں کی پیدائش سے ۴ سے ۶ بلین سال پہلے قرار پا چکی تھی یا

کم از کم حضرت آدم علیہ السلام کی آمد قبل قطعی سکون میں آچکی تھی اور اگر انسانوں کے بوجھ سے ہلتی جلتی تو آج اس کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہلنا چاہیے کیونکہ روزانہ ہزاروں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں پاکستان ہی کی مثال لیجئے کہ کراچی شہر میں ڈیڑھ کروڑ انسان رہتے ہیں جبکہ پورے بلوچستان میں کچھ لاکھ افراد بستے ہیں مگر شہر کراچی میں لوگوں کے بوجھ سے زمین نہ دب رہی اور نہ ہچکولے کھا رہی ہے۔ انسان کا بوجھ ہوتا ہی کیا ہے جو زمین کو غیر متوازن کر سکے۔ در حقیقت آیت کا مفہوم یہ ہے جو امام احمد رضا کی نظر اور عقل نے سمجھا ہے جو علوم ارضیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے کہ پہاڑوں کے لنگر اس لئے ڈالے ہیں کہ زمین ان لنگروں کے بغیر ہچکولے کھاتی تھی اس لئے ان لنگروں سے اس کو قائم کر رکھا ہے۔

ان تمام امثال کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن دیگر تمام اردو تراجم سے زیادہ بہتر ہے اور یہ عین سائینٹیفک توجیہات کے مطابق بھی ہے یہاں موقع نہیں ورنہ دیگر سائنسی علوم و فنون سے متعلق بھی آیات کا تقابل پیش کرتا۔ شواہد اور دلائل اس بات کے مظہر ہیں کہ امام احمد رضا مسلمان سائنسدانوں میں ان چند ہستیوں میں شامل ہیں جن کو دین ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا مجدد تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ امام احمد رضا کی کوئی بھی تھیوری قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں ہوتی۔ دنیا آج زمین کو سورج کے گرد گھومتا ہوا تسلیم کرتی ہے مگر آپ نے اپنی کتاب ”فوز مبین در رد حرکت زمین“ میں ۱۰۵ دلائل سے زمین کو ساکن قرار دیا کیونکہ قرآن کی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ زمین و آسمان ساکن ہیں اور باقی سارے سیارے گھوم رہے ہیں۔

تاریخ میں ہزاروں مسلمان سائنسدان علوم عقلیہ کے امام تسلیم کئے گئے ہیں مگر ان میں علوم نقلیہ کے استعداد رکھنے والے بہت کم ہیں۔ اگرچہ ہر کوئی قرآن و حدیث سے استفادہ ضرور کرتا ہے کیونکہ اول ماخذ یہی ہے لیکن دونوں علوم میں دسترس رکھنے والے امام غزالی جیسی ہستیاں کم ہیں۔ امام احمد رضا کو دین اسلام کا چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے مگر آپ علوم عقلیہ کے بھی اکثر علوم و فنون کے

مجدد نظر آتے ہیں۔ راقم یہ بات کہنے میں غلط نہیں کہ امام احمد رضا مجدد دین و ملت اور مجدد علوم جدیدہ ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب نے امام احمد رضا کی ذہانت فطانت پر جو جامع تبصرہ کیا ہو ملاحظہ کیجئے:

"گزشتہ نصف صدی میں طبقہ علماء میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا کا مقام بہت ممتاز ہے، ان کی علمی دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔ تفقہ اور دینی علوم کے ساتھ ساتھ فاضل بریلوی کی مہارت سائنس اور طب کے علوم میں بھی بہت زیادہ ہے ان کی بصیرت علماء سلف کے اس ذہن و فکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی یا دنیاوی علوم کی تفریق نہ تھی، ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصر حاضر کے علماء اور دانش گاہوں کے معلمین دونوں کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے"۱۵

حکیم صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

"فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کسی لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے"۱۶

امام احمد رضا بریلوی کے ترجمۂ قرآن میں امتیازی پہلو دیگر مترجمین قرآن کے مقابلے میں یہ ہے کہ جو جامعیت، معنویت مقصدیت قرآن کے کلمات میں پوشیدہ ہے یا کسی بھی عمل کی جو حقیقت اس کے وجود میں پوشیدہ ہے امام احمد رضا اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اس علم کی روشنی میں اس کی ترجمانی فرماتے ہیں۔

یہ اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب مترجم کے ذہن میں تمام تفاسیر لغوی معنویت، احادیث، آثار اور تمام علوم وفنون کا مجموعہ اس کو قوت حافظہ میں ہو اور خداوند کریم کی طرف سے اس کی ذہانت اتنی قوی ہو کہ تمام کلمات کو ان کی معنویت کے ساتھ یکجا کر لے۔

یہ خداداد صلاحیت ہی امام احمد رضا کو ان کے تمام ہم عصر حضرات میں اعلیٰ بنائے ہوئے ہے جس کی بناپر ہر سمجھدار آپ کو اعلیٰ حضرت کہنے پر حق بجانب ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ سُوْرَۃُ النَّحل، آیت نمبر ۴۳۔
۲۔ سُوْرَۃُ الْحِجْر، آیت نمبر ۹۔
۳۔ سُوْرَۃُ النِّسَآء، آیت نمبر ۱۱۳۔
۴۔ سُوْرَۃُ النَّبَا، آیت نمبر ۲۰۔
۵۔ سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ، آیت نمبر ۵۔
۶۔ سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت، آیت نمبر ۱۰۔
۷۔ سُوْرَۃُ النّٰزِعٰت، آیت نمبر ۳۰۔
۸۔ امام احمد رضا خاں بریلوی ''کنز الایمان'' ص ۸۲۲۔
۹۔ Swokins, F.s etal 1987 The Rvolving Earth, Page 153.
۱۰۔ Sawkins,F.S etal. 1978 The Evolving Earth Page 153.
۱۱۔ Arthur Holmes, 1972, Principles of Physical Geology P.22.
۱۲۔ سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء، آیت نمبر ۳۰/۳۱۔
۱۳۔ امام احمد رضا خاں بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص ۴۵۸۔
۱۴۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل شریف مترجم'' ص۔۵۱۹۔
۱۵۔ حکیم محمد سعید ''پیغام برائے مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۸ء کراچی، ص ۱۵ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی۔
۱۶۔ ایضاً، طبی بصیرت ''معارف رضا'' شمارہ نہم ص ۱۰۰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل۔

امام احمد رضا اور سمتِ قبلہ کی تحقیق

علامہ خواجہ مظفر حسین
دارالعلوم نور الحق، فیض آباد، انڈیا۔

بارگاہِ امام احمد رضا میں شہر علی گڑھ سے یہ استفتا آیا کہ یہاں ایک پرانی عید گاہ ہے، یہاں صدیوں سے علمائے کرام اور عوام الناس نمازِ عیدین ادا کرتے آرہے ہیں، لیکن اب بعض مہندسین اپنے حسابات وآلات کے ذریعے یہ بتارہے ہیں کہ اس عید گاہ کا رخ صحیح سمت قبلہ پر نہیں ہے۔ اس لیے یہاں کے مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ اس کو توڑ کر نئی بنا قائم کریں۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اس عیدگاہ کے فرش پر صحیح قبلہ رخ خطوط کھینچ کر نماز ادا کریں، ورنہ موجودہ عید گاہ کے رخ پر نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (الملخص، فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص:۱۵)

امام احمد رضا کلّمُوا النّاس علی قدرِ عقولِھم کے پیشِ نظر جس طرح مجالسہ ومذاکرہ کی محفل میں معروضات کے جوابات علمی اعتبار سے ارشادات فرماتے تھے (جیسے کہ "الملفوظ" کی عبارتوں سے ظاہر ہے) اسی طرح استفتا کے جواب میں بھی مقتضائے حال کے مطابق مستفتی اور اس کے ماحول کا

خیال رکھ کر ہی جواب تحریر فرماتے تھے۔ کہیں لا و نعم پر اکتفا فرماتے اور کہیں تحقیق و تدقیق کا طوفان برپا کر دیتے تھے، مثلاً استاذنا الکریم سیدی وسندی فاضل بہار حضرت ملک العلما نے وضو کے تعلق سے ایک مختصر سا سوال کیا تو اس کے جواب میں ایسی تحقیقِ انیق فرمائی کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علامہ فہامہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، قارئین کرام اس سوال و جواب کو فتاویٰ رضویہ جلد اول کے پہلے سوال و جواب کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علامہ فضلِ حق علیہ الرحمہ اور علامہ عبدالحق علیہ الرحمہ کے وطن مالوف خیر آباد، سیتاپور سے سمتِ قبلہ کے بارے میں سوال آیا۔ امام احمد رضا نے جواب میں ایسی فن کاریاں قلم بند فرمائیں کہ دیکھنے کے لائق ہیں۔ اسے قارئین کرام فتاویٰ رضویہ جلدِ سوم باب القبلہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

علی گڑھ سے آئے ہوئے سوال کے جواب میں اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مہندس صاحب کا کہنا صحیح نہیں بلکہ وہاں نمازیں درست ہیں، لیکن امام احمد رضا نے سائل ہی کو نہیں بلکہ وہاں کے ماحول اور سوال میں ذکر کردہ مہندس کے کارنامے کو دیکھ کر جواب دیا۔ جواب کیا دیا اسے جواب نہیں بلکہ علم و فن کے سمندر کا دھارا بہانا کہتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو تو آیئے امامِ اہلِ سنّت کی تحقیق کی اٹھتی ہوئی موجوں کا نظارہ کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص:۱۵، تا ص:۱۴۱ کا شروع سے آخر تک ایک بار ضرور مطالعہ کریں اور ہمارے قول کی صداقت پر ایمان لے آئیں۔

علی گڑھ کے جواب میں سب سے پہلے امام احمد رضا نے سمتِ قبلہ کے تعلق سے فقہ و ہیئت کی مختلف کتابوں سے یہ عطر نچوڑ کر پیش فرمایا کہ یہاں سمتِ قبلہ کی تحقیق میں کن کن باتوں کا جاننا ضروری ہے اور پھر افادۂ رابعہ کے عنوان سے ذیل میں بذریعہ دائرۂ ہندیہ علی گڑھ کی تقریبی سمتِ قبلہ کا استخراج فرمایا ہے اور پھر آخر میں بہ عنوان علی گڑھ کے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث فرمائی ہے۔

تحقیقی سمت قبلہ کے استخراج میں امام احمد رضا نے وہاں کے طول و عرض کے پیشِ نظر وہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے جو ''کشف العلّۃ'' کے دس قاعدوں کے ضمن میں مذکور ہے، چوں کہ یہ بحث مستقل طور پر ''کشف العلۃ'' میں موجود ہے، اس لیے ہم یہاں اس کو نہیں بلکہ دائرہ ہندیہ سے استخراج

کردہ بحث کو موضوع بناتے ہیں۔ دائرہ ہندیہ کے ذریعہ ہیئت کی کتابوں میں صرف اتنا بتایا جاتا ہے کہ بلدِ خاص سے قبلہ کا رخ کدھر ہے۔ وہاں یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ نقطۂ مغرب سے کتنی ڈگری انحراف یا نقطۂ شمال سے کتنی ڈگری انصراف ہے۔

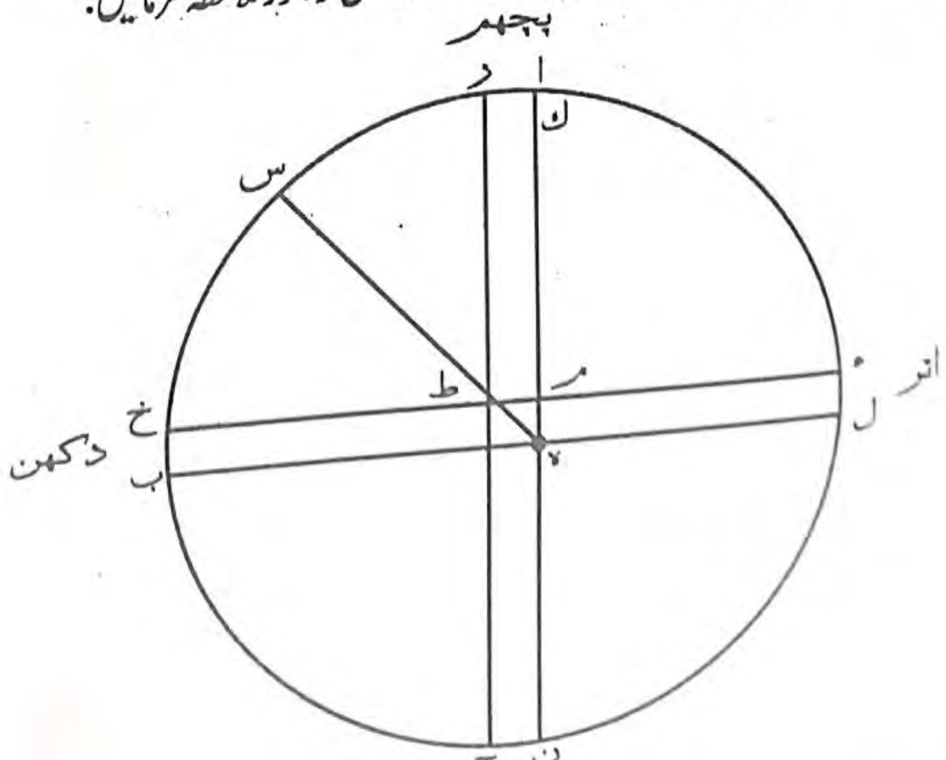
دائرۂ ہندیہ کی اس بحث کو امام احمد رضا نے پہلے اعمالِ ستینیہ کے ذریعے اور پھر اعمالِ لوگارثمیہ کے ذریعے حل فرمایا ہے۔ یہاں ہمارا مطلوب اعمال لوگارثمیہ ہے، اگر حیات نے وفا کی تو اعمالِ ستینیہ کی بحث کو بھی کبھی پیش کریں گے۔

طول علی گڑھ ۷۸۔۰٦ عرض علی گڑھ ۲۷۔۵٦

طول مکہ شریف ۴۰۔۱۰ عرض مکہ شریف ۲۱۔۲۵

فرق طول ۳۷۔۵٦ فرق عرض ۰٦۔۳۱

علی گڑھ اور مکہ شریف کے طولین کا تفاضل ۳۷۔۵٦ اور عرضین کا تفاضل ٦۔۳۱ ہے۔ حاصل شدہ تفاضل کو فرق بھی کہتے ہیں۔ ذیل میں پیش کردہ دائرہ نما شکل کو بغور ملاحظہ فرمائیں:



یہ دائرہ علی گڑھ کا افق ہے۔

ان = خط اعتدال علی گڑھ

ل ب = خط زوال علی گڑھ

رح = خط اعتدال مکہ شریف

ءخ = خط زوال مکہ شریف

ک ر = جیب تفاضل عرض = م ط

خ ی = جیب تفاضل طول = م ہ

کسی بھی دائرہ کے مرکز سے گزرنے والا خط اس دائرے کا قطر اور قطر کے متوازی کھینچا ہوا خط وتر کہلاتا ہے۔ وتر کے کسی بھی سرے سے قطر پر واقع ہونے والا عمود قطر اور وتر کے مابین واقع شدہ قوس کی جیب ہے، اس لیے اس دائرے میں ا ر قوس کی جیب میں ک ر اور اسی طرح خ ب قوس کی جیب خ ی ہے۔

علی گڑھ کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع ہ ہے یعنی یہ مقام علی گڑھ ہے۔ مکہ شریف کے خط اعتدال وزوال کا نقطہ تقاطع ط ہے، یعنی یہ مقام مکہ شریف ہے۔ ہ سے ط ہوتا ہوا اس تک خط سمت ہے اس کے درمیان واقع شدہ زاویہ یعنی دائرے کے اندر بنا ہوا مثلث م ہ ط کا زاویہ ہ قدر انحراف ہے۔ اس لیے اگر مثلث م ہ ط کو حل کر لیا جائے تو قدر انحراف معلوم ہو جائے گا۔

یہاں اس مثلث کا خط م ہ چوں کہ خط خ ی جیب کے برابر ہے اور خط م ط چوں کہ خط ک ر جیب کے برابر ہے اور زاویہ م چوں کہ قائمہ ہے، اس لیے شکل عروسی م ہ کا مربع اور م ط کا مربع کو جمع کر کے جذر کر لیا جائے تو خط ہ ط معلوم ہو جائے گا۔ اس طرح اس مثلث کے تینوں ضلعے معلوم ہو جائیں گے اور چوں کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویۂ حادہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کر لیا جائے، حاصل قسمت زاویہ مطلوبہ کی جیب ہوتی ہے، اس لیے یہاں زاویہ حادہ کے عمود م ط کو خط ہ ط یعنی وتر سے تقسیم کرنے پر زاویہ ہ کی جیب اور پھر اس جیب سے بعد برعکس کارگزاری اس زاویہ کی مقدار نکل جائے گی۔

یہاں کچھ باتیں لوگارثم اور جیب کے تعلق سے درج کی جاتی ہیں، اسے ضرور دھیان میں رکھیں:

(۱) آپ کسی بھی قوس یازاویہ کی جیب اصلی یا جیب لوگارثمی جداولہائے ریاضیہ سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اس کا برعکس عمل بھی جداول سے معلوم کرسکتے ہیں، یا پھر آپ خود ہی کلکولیٹر سے قوس یازاویہ کی جیب اصلی پھر اس کا لوگارثم حاصل کرسکتے ہیں۔ اگر ایسی صورت میں حاصل شدہ لوگارثم منفی ہو تو آپ اس پر لوگارثم کا ایک دور یعنی ۱۰ رعدد صحیح بڑھا کر مثبت کامل کرسکتے ہیں۔ اب اس لوگارثم کو تکمیلی لوگارثم یا جیب لوگارثمی کہیں گے، اس پورے عمل کو عملِ راست کہتے ہیں اور پھر جب اس تکمیلی لوگارثم سے زاویہ یا قوس معلوم کرنا چاہیں تو پہلے اس تکمیلی لوگارثم کی تجرید اور پھر اینٹی لوگارثم کے ذریعے جیب اصلی اور پھر انورس کے ذریعہ زاویہ یا قوس معلوم کرسکتے ہیں۔

(۲) تجرید کی دو صورتیں ہوتی ہیں، اول: تجرید ناقص، یعنی ۱۰ رعدد صحیح کو تکمیلی لوگارثم کے صرف عدد صحیح سے گھٹائیں اور اعشاریہ کو اپنی جگہ برقرار رکھیں۔ اس کی علامت — ہوتی ہے کہ عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگی ہوتی ہے، جیسے ۲٫۰۰۰۔ دوم: تجرید تام یعنی پورے تکمیلی لوگارثم یعنی عدد صحیح مع اشاریہ سے ۱۰ رکو گھٹائیں تاکہ پوراعدد منفی ہو جائے۔ اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ پورے عدد کے بائیں طرف منفی کی علامت لگی ہوتی ہے، جیسے ۲٫۰۰۰-۔

(۳) دوسری صورت میں تکمیلی لوگارثم سے جیب اصلی حاصل کرنے کے لیے پورے تکمیلی لوگارثم میں انٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پھر پہلی والی صورت میں صرف اعشاریہ والے حصہ میں اینٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پھر دیکھیں کہ عدد صحیح جو منفی ہے وہ ایک ہے، دو ہے، کیا ہے؟ اگر ایک ہو تو حصّہ اعشاریہ کے اینٹی لوگارثم سے جو جیب حاصل ہوتی ہے اس میں علامتِ اعشاریہ کو ایک درجہ مزید بائیں رکھیں اور اگر ۲ رہو تو ۲ ر درجہ مزید بائیں رکھیں۔

(۴) لوگارثم کا جذر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی تنصیف کرلیں۔ اس کا نصف لوگارثم جذر ہوگا، لیکن اگر لوگارثم میں صرف عدد صحیح منفی ہو اور اعشاریہ مثبت ہو اور اس منفی رقم کی صحیح صحیح

تنصیف نہ ہو تو ایسی صورت میں چاہیے کہ عدد صحیح جو منفی ہے اس پر اتنا عدد منفی اور بڑھادیں اور پھر دونوں حصوں کا نصف حاصل کر کے ایک ساتھ لکھ لیں۔

نوٹ: اگر اعدادِ عامہ میں ضرب مقصود ہو تو مضروبین کے لوگارثم کو جمع کر کے اس کا عدد عام حاصل کرلیں اور اگر تقسیم مقصود ہو تو مقسوم کے لوگارثم سے مقسوم علیہ کا لوگارثم تفریق کر کے حاصل تفریق کا عدد عام حاصل کرلیں۔ البتہ اگر عدد عام میں جمع و تفریق کا عمل مقصود ہو تو یہ ان کے لوگارثم کے ذریعے نہیں ہو پاتا، بلکہ ان لوگارثموں کے اعداد عامہ حاصل کر کے اس میں عمل جمع و تفریق کرنا لازم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تکمیلات میں عدد صحیح اکائی سے زیادہ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں اکائی کے علاوہ دہائی وغیرہ کو ساقط کر دیا جاتا ہے، جسے منحط کہتے ہیں۔

(۵) علم ہندسہ میں ایک شکل ایسی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث کے کسی بھی زاویہ کے جیب و وتر میں جو نسبت ہوتی ہے وہی نسبت اس مثلّث کے ہر ایک زاویہ کے جیب وتر میں ہوتی ہے۔ اسی شکل کو امام احمد رضا نے شکلِ نافع سے تعبیر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویۂ حادہ کو معلوم کرنا ہو تو اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کرلو حاصل قسمت مطلوبہ زاویہ کی جیب ہوگی۔

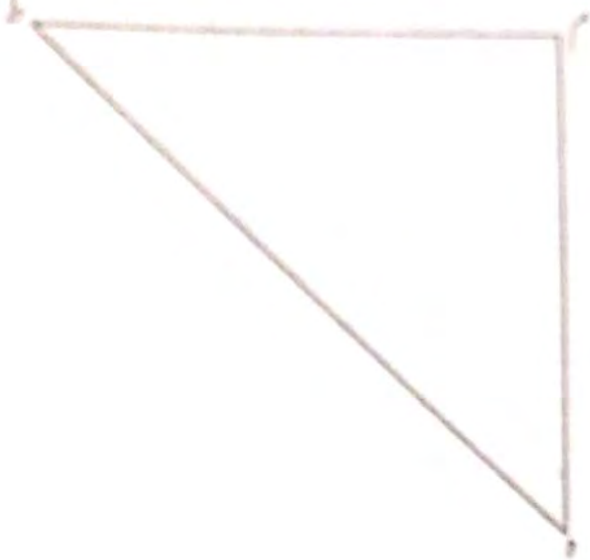
ماسبق میں یہ گزرا کہ اس مسئلے کا حل مثلث م ہ ط کے حل پر موقوف ہے جس کا حل تین طریقوں سے ہو سکتا ہے: [۱] بذریعہ اعدادِ عامہ [۲] بذریعہ لوگارثم بدون تکمیل [۳] بذریعہ تکمیلی لوگارثم۔ "ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال" میں تیسرے طریقے سے حل کیا گیا ہے۔ ہم پہلے دونوں طریقوں کو بھی درج کرتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق ہر طریقے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

طول علی گڑھ ۰۶۔۷۸ عرض علی گڑھ ۵۶۔۲۷

طول مکہ شریف ۱۰۔۴۰ عرض مکہ شریف ۲۵۔۲۱

فرق طول ۵۶۔۳۷ فرق عرض ۳۱۔۰۶

ہم سے طریقے دائرہ ہندیہ کے بیچ میں [illegible] شکل کرتا ہے یوں ہے:



۱۔ طریقہ بذریعہ اعداد عامہ

فرق طول کی جیب	م ه =0.614744166
اس جیب کا مربع	0.37791039
اور فرق عرض کی جیب	م ط =0.11349227
اس جیب کا مربع	0.012880485
اس لیے مجموع المربعین	0.390790875
اس کا جذر یعنی وتر	ه ط =0.625132083

اس لیے م ط ÷ ه ط یعنی

=0.625132083 ÷ 0.11349227

=0.18154982[illegible]

[illegible] کی جیب ہے [illegible] 10-23-30 [illegible]

[illegible]

۲۔ طریقہ دوم بذریعہ لوگارثم [illegible] تکمیل

فرق طول کی جیب [illegible] لوگارثم (-0.211305583)

اس لوگارثم کا مربع	(-0.422611167)
اس لیے مربع اصلی	0.37791039
اور فرق عرض کی جیب م ط کا لوگارثم	(-0.94503388)
اس لوگارثم کا مربع	(-1.890067762)
اس لیے مربع اصلی	-0.012880485
اس لیے مجموع المربعین اصلی	0.390790875
اس کا لوگارثم	(0.408055585)
مجموع المربعین اصلی کا جذر یعنی وتر	ه ط =0.625132685
اس کا لوگارثم	(-0.204027793)

اب لوگارثم م ط جیب سے لوگارثم ہ ط وتر تفریق کیا یعنی (-0.94503388) سے (-0.204027793) کو تفریق کیا = (-0.741006087) بعد عمل اینٹی لوگارثم اور انورس 36-27-10= قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

۳۔ طریقۂ سوم بذریعہ تکمیلی لوگارثم

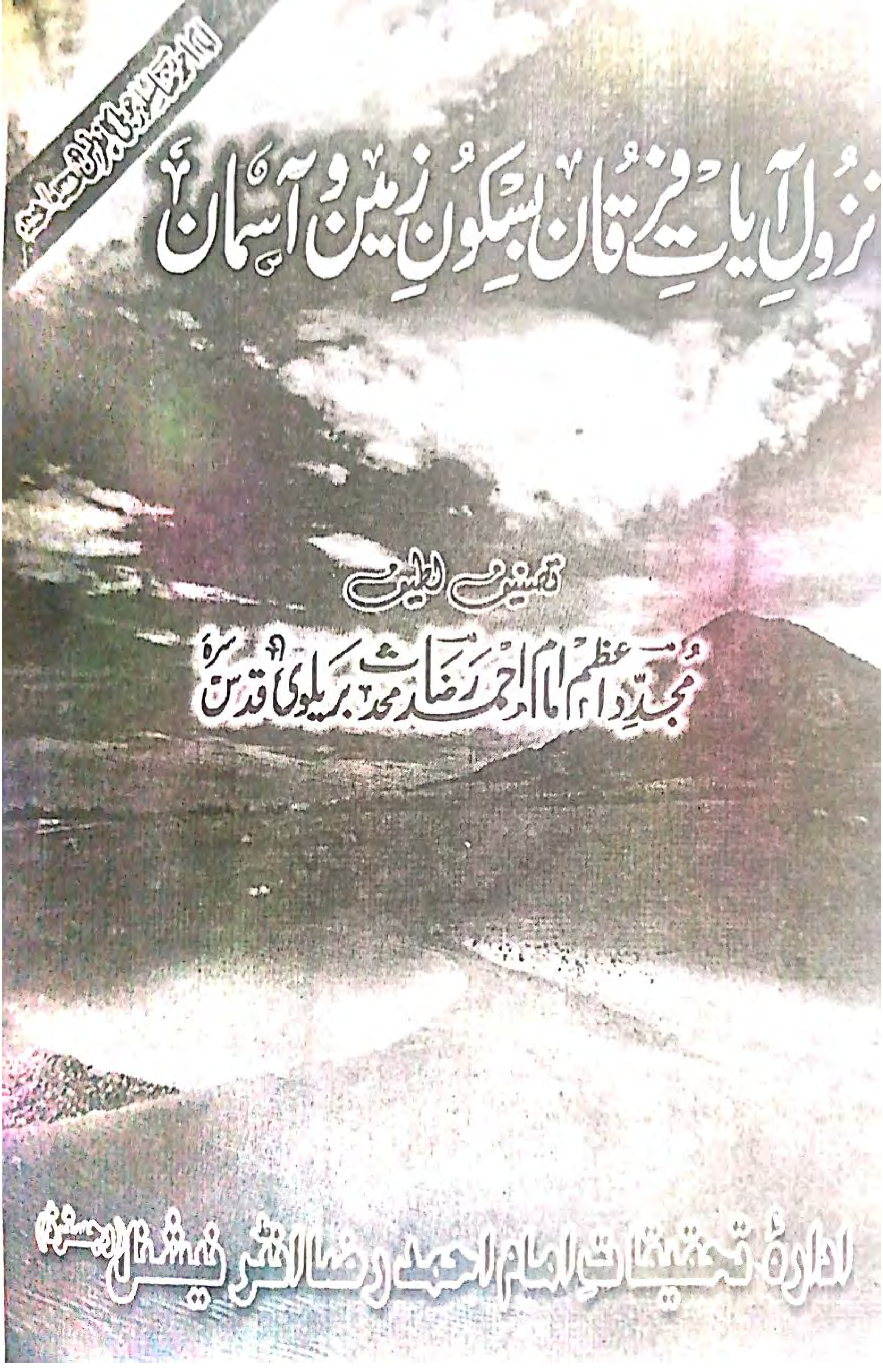
[۱] فرق طول کی جیب لوگارثمی	9.788694416
اس جیب لوگارثمی کا مربع	9.577388833
یہی مربع بعد تجرید ناقص	$\bar{1}.577388833$
پھر وہی مربع کا بعد تجرید تام	(-0.422611167)
اس لیے اصلی مربع	0.37791039
[۲] فرق عرض کی جیب لوگارثمی	9.054966119
اس جیب لوگارثمی کا مربع	8.109932239
یہی مربع بعد تجرید ناقص	$\bar{2}.109932239$

پھر وہی مربع بعد تجرید تام	(-.890067762)
اس لیے اصلی مربع	0.012880485
[۳] اس لیے مجموع المربعین بعد اصلی	0.390790875
اس کا جذر	0.625132685
اصلی مجموع المربعین کالوگارثم بعد تکمیل و تجریب ناقص	$\bar{1}$.59194414
اس کا گارثم جذر	$\bar{1}$.795972207
یہی بعد تکمیل	9.795972207
اصلی مجموع المربعین کالوگارثم بعد تجرید تام	(0.408055585)
اس کالوجذر =	(-0.204027792)
یہی بعد تکمیل	9.79597208

اب لوم ط یعنی 9.054966119 سے لوہ ط یعنی 9.79597208 کو تفریق کیا = (-0.741006089) بعد اینٹی لوگارثم اور انورس = 36-27-10 = جواب یعنی قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

نوٹ: (۱) لوگارثم تکمیلی میں امام احمد رضا نے تجرید کرنے کی صورت میں تجرید ناقص سے کام انجام دیا ہے، لیکن یہاں تجرید تام و تجرید ناقص دونوں اعتبار سے کام کیا گیا ہے؛ کیوں کہ نتیجے کے لحاظ سے دونوں صورتیں متلازم ہیں۔

(۲) جہاں کہیں صرف عدد صحیح منفی ہے وہاں حسبِ قاعدہ مذکورہ اس عددِ صحیح کے اوپر علامت منفی لگادی گئی ہے، لیکن جہاں پوری رقم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ دونوں منفی ہیں وہاں حسبِ قاعدہ اس رقم کی بائیں طرف علامت منفی لگاکر قوسین کے مابین گھیر دی گئی ہے تاکہ علامت منفی اور ڈس کے مابین اشتباہ پیدا نہ ہو جائے۔



نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان

تصنیف لطیف

مجددِ اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ)

جدید سائنس کے غیر اسلامی نظریات اور
مولانا احمد رضا خاں کے ذریعے ان کا رد بلیغ

ڈاکٹر رضاء الرحمن عاکف سنبھلی

سائنسی علوم بالخصوص جدید سائنس میں بھی مولانا احمد رضا خاں نے عظیم الشان کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور اس فن میں بھی مولانا موصوف کا معیار تحقیق نہایت بلند ہے۔ اس سلسلے میں یوں تو مولانا نے معدد تصانیف لکھیں۔ نظریات قائم کیئے اور دیگر کتابوں میں بھی مناسب مقامات پر سیر حاصل بحثیں کیں۔ لیکن یہاں ہم آپ کی اس موضوع پر نہایت ہی معروف واہم کتاب "فوز مبین در رد حرکت زمین" سے کچھ اہم اقتباسات نقل کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد اس سلسلے میں آپ کے نظریات (جو کہ مختلف فیہ ہیں) کے سلسلے میں تصدیق وتردید کرنا نہیں ہے کیونکہ سائنسی نظریات زیادہ تر اختلاف کا شکار رہے ہیں اور آج تک کسی بھی سائنسی نظریہ پر تمام سائنس داں متفق نہیں ہو سکے ہیں۔ تو پھر ہم کو مولانا کے نظریات سے ہی یہ شکایت کیوں ہو! بہر حال ہم تو آپ کے انداز نگارش اور معیار تحقیق کو

سامنے رکھتے ہوئے یہ بات اپنے قارئین کرام کے سامنے لانا چاہتے ہیں کہ آپ نے کس قدر مضبوط دلائل اور جامع انداز سے یہاں مخالفین کے شکوک وشبہات کے جواب دے کر ان کو انگشت بدنداں رہ جانے پر مجبور کر دیا ہے۔

امام احمد رضا خاں کے سائنسی کارناموں میں فوزِ مبین ایک عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کو موصوف نے فلسفہ جدیدہ کے رد میں تحریر فرمایا ہے اور حرکت زمین کو ایک سو پانچ دلیلوں سے باطل قرار دیا۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمہ میں مقررات ہیئات جدیدہ کا بیان ہے۔ فصل اوّل میں نامزت سے بحث کی گئی ہے اور زمین کی حرکت کو بارہ دلیلوں سے باطل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے اندر مولانا کا معیار تحقیق اور اندازِ تحریر نہایت عمدہ وبلند ہے جس کے ذریعے مصنف کے وہ جوہر ابھی کر سامنے آئے ہیں جو ایک عظیم محقق واسکالر کے اندر ہونے چاہییں۔ ہیئت جدیدہ میں سائنس دانوں کا اصل مبنیٰ آپ زمین کی جاذبیت اور نافریت ہے۔ یہ دنوں مفروض مسلے جس کو جاذبہ اور نامزہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جن کی تلاش نیوٹنؔ (NUTION) نے ۱۶۶۵ء میں سیب کو زمین پر گرنے سے کی اور جاذبیت ونافریت کی تھیوری تیار کی۔ اس سلسلے میں مولانا احمد رضا خاں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"ہر جسم میں دوسرے کو اپنے طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے جاذبہ یا جاذبیت کہتے ہیں۔ اس کا پتہ نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اس وقت چلا جب وہ وہاں سے بھاگ کر کسی گاؤں میں گیا۔ باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا سے دیکھ کر اسے سلسلۂ خیالات چھوٹا جس سے قواعد کشش کا بھوکا پھوٹا۔ اقول۔ سیب گرنے اور جاذبیت کا آسیب جاگنے میں علاقہ بھی ایسا ہی سبب لزوم کا تھا کہ وہ گرا یہ اُچھلا۔ کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی اور سبب ہو سکتا ہی نہ تھا۔ اس کی مفصل بحث تو فصل دوم میں آئے گی ۱۶۶۵ء تک ہزاروں برس کے عقلا سب اس فہم سے محروم گئے تو گئے تو یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جب تک اس کا کوئی اور سبب خیال میں تھا جسے اس سیب نے توڑ کر رکھ دیا"۔[۱]

پھر فصل دوم کی وہ بحث جس کو حضرت موصوف علیہ الرحمہ نے جاذبیت (Absorbent) کے ردّ میں تحریر فرمایا ہے اور جو نیوٹن کے نزدیک حرکتِ زمین کی علّت بنی نیز جس پر مابعد کے دیگر سائنسدانوں نے عقیدہ حرکت رکھ کر اپنی جولائی طبع کا واشگاف مظاہرہ کیا اس کے پرخچے اڑائے اور ملت باطلہ کا قلع قمع فرماتے ہوئے حق اور صحیح پہلو کی وضاحت فرمائی جس سے ان سائنسدانوں کے گھروندوں کا سارا کھیل بگڑ گیا کہ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی مثال نگاہوں کے سامنے آئی۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"جاذبیت ان کے نزدیک ایسے ہی مسائل سے ہے اور ایں درجہ اہم ہے کہ ان کا تمام نظام شمسی سارا علم ہیئت اسی پر مبنی ہے۔ وہ باطل ہو تو سب کچھ باطل، وہ لڑکوں کے کھیل کے برابر، برابر کھڑی کی ہوئی اینٹیں ہیں کہ اگر ایک کو گراؤ تو سب گر جائیں۔ ایسی چیز کا روشن قاطع دلیل پر مبنی ہونا تھا نہ کہ محض خیال پر۔ نیوٹن پر ایک سیب ٹوٹ گرتا ہے وہ اس سے اٹکل دوڑاتا ہے کہ زمین میں کشش ہے جس نے کھینچ کر گرا لیا مگر اس پر دلیل کیا ہے جواب نہ دارد۔ اولاً نمبر ۲۰۲، عقلا کے عالم اثقال میں میل اسفل مانتے ہیں کیا وہ میل اس کے گرانے کو کافی نہ تھا۔

میل نجانا۔ یوں نہ سمجھ سکتا تھا کہ ثقیل کے استقرار کو وہ محل چاہیے واس کا بوجھ سہارے۔ سیب وہی ٹوٹے گا جس کا علاقہ شاخ سے ضعیف ہو جائے کمزور تعلق اب اس اک بوجھ نہ سہار سکے ورنہ سبھی ٹوٹ جاتے۔ ادھر تو ضعیف علاقہ کے سبب شاخ سے چھوٹا ادھر اس نے نرم تر ملاء ہوا کا ملا۔ ہوا ایسے اس کو کس طرح سہارتی، لہٰذا اس سے کثیف تر ملاء۔ درکار ہوا کہ زمین ہو یا پانی۔ کیا اتنی سمجھ نہ تھی۔ بطلان میل پر کوئی قطعی دلیل قائم کریں اور جب کچھ نہیں تو جاذبیت کا خیال محض ایک احتمال ہوا۔ محتمل مشکوک بے ثبوت بات پر علوم کی بنار کھنا کارِ خردمنداں نیست"۔ ۲

جذب ہے اور نہ ہی حرکت۔ یہ دلیل منطقی قیاسات کے دور و تسلسل مبنی ہے جس سے غلط نظریہ کا لچر پوچ ہونا اظہر من الشمس ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا رقمطراز ہیں:

"اقول نمبر ۲۰۵، فرض کردم کہ سیب گرنے سے زمین پر جاذبیت کا آسیب آیا مگر اس سے شمس میں جاذبیت کیسے سمجھی گئی جس کے سبب گردش کا طومار باندھ دیا گیا۔ اس پر بھی کوئی سبب گرتے

دیکھایا یہ ضرور ہے کہ جو کچھ زمین کے لئے ثابت ہو آفتاب میں بھی ہو۔ زمین بے نور ہے، آفتاب سے روشن ہوتی ہے۔ آفتاب بھی بے نور ہو گا۔ کسی اور سے روشن ہو گا۔ یوں ہی یہ قیام اس ثالث کو نہ چھوڑے گا۔ اس کے لئے رابع درکار ہو گا اور اسی طرح غیر متناہی چلے جایئے گا یا واپس آئے گا۔ مثلاً شمس ثالث سے روشن اور ثالث شمس سے تو وہ تسلسل تھا یہ دور ہے اور دونوں محال۔ یہ منتق الطیر اسی بے بضاعتی کا نتیجہ ہے جو ان لوگوں کے علوم عقلیہ میں ہے ورنہ ہر عاقل جانتا ہے کہ شاہد پر غائب کا قیاس محض وہم اور وسواس ہے"[۳]

اس کتاب کی فصل دوم میں ہی ایک جگہ اسی حرکتِ زمین کا بطلان ریاضیات سے فرمایا اس لئے کہ سائنسدانوں کے نزدیک علم سائنس کا سب سے بڑا ماٰخذ علم ریاضی ہی ہے۔ ان کے نزدیک مدار آفتاب میں ایک نقطہ جو مرکز سے انتہائی دوری پر ہے جس کو "اوجُ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرا انتہائی قرب پر جس کو حضیض کہتے ہیں۔ تیسری جولائی کو آفتاب انتہائی دوری یعنی اوج پر ہوتا ہے اور تیسری جنوری کو انتہائی قرب یعنی حضیض پر ہوتا ہے۔ یہ تفاوت اکتیس لاکھ میل سے زائد ہے۔ اب مدار کشش کی تھیوری کا جو جائزہ امام اہلسنت نے لیا ہے اس کو ملاحظہ کیا جائے۔

تحقیق جدید (علم جدید) میں شمس کا بعد اوسط نو کروڑ انیتس لاکھ میں بتایا گیا ہے اور ہم نے حساب کیا، مابین مرکزین دو درجے ۴۵ ثانئے یعنی ۵،۵۲۱۲ ہے تو بعد ۲۶۔۹۴۴۵۸، میل ہوا۔ اور بعد اقرب ۹۳۴۱۹۷۴ میل۔ تفاوت ۵۲۔۳۱۱۲ میل اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے مرکز اسفل میں شمس ہے جیسا کہ ہیئات جدیدہ کا زعم ہے تو اوّل ان کی سمجھ کے لائق یہی سوال ہے کہ زمین اپنے قوی عظیم شدید ممتد پر ہزارہا سال کے متواتر جذب سے کھینچ کیوں نہ گئی! ہیئات جدیدہ میں آفتاب ۱۲لاکھ میل پینتالیس ہزار ایک سو تیس (۴۵۱۳۰) زمینوں کے برابر اور بعض نے دس لاکھ اور بعض نے چودہ لاکھ دس ہزار لکھا ہے۔ ہم نے مقررات جدیدہ پر بربنائے حاصل کردی حساب کیا تو تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن (۱۳۱۳۵۶) زمینوں کے برابر آیا۔ بہر حال وہ جرم کے اس کے ۱۲لاکھ حصّوں سے ایک کے بھی برابر نہیں۔ اس کی کیا مقاومت کر سکتا ہے تو گردو دور کرنا نہ تھا۔ بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر

اس میں مل جاتا۔ کیا ۱۲ لاکھ اشخاص مل کر ایک کو کھینچیں اور وہ دوری چاہے تو بارہ لاکھ سے کھینچ نہ سکے گا بلکہ اس کے گرد گھومے گا"۴۔

اس کے بعد تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور ان باطل نظریات کا کامل رد یہ ہے کہ کسی قوت کا قوی پڑ کر ضعیف ہو جانا محتاج علت ہے اگرچہ سی قدر کے زوال علت قوت جب کہ نصف دورے میں جاذبیت شمس غالب آکر اکتیس لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ کر لائی تو نصف دوم میں اسے کس نے ضعیف کر دیا کہ زمین پھر اکتیس لاکھ میل سے زیادہ دور بھاگ گئی حالانکہ قرب موجب قوت اثر جذب ہے تو حفیض پر لاکھ جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہونا اور زمین کا وقتاً فوقتاً قریب تر ہو تا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قریب آکر اس کی قوت سست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے۔ شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو راحب زیادہ ملتا ہے۔ تبھی تو قوت تیز ہوتی ہے اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے جس کی وجہ سے کمزور پڑ جاتا ہے۔۵

اب مزید دو مساوی جسموں میں تقابل کی انجذابی کیفیت کا اثر مرتب ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"دو جسم اگر برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی ہوتی کہ نصف دورے میں یہ غالب رہتا ہے نصف میں وہ۔ نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے ۱۲ لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سست پڑ جائے اور ادھر ایک لاکھ اور ادھر بارہ لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف اقسام پائے اس پر یہ مہمل عذر پیش ہوتا ہے کہ نقطہ حفیض پر نافریت بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ زمین کو آفتاب کے نیچے سے چھڑا کر دور لے جاتی ہے"۶

قارئین کرام فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مولانا نے اپنی ان تحقیقات میں جدید سائنسدانوں کے غیر اسلامی نظریات کا ابطال کس قدر مدلل اور مسکت انداز پر کیا ہے۔ فوز مبین جہاں آپ کے سائنسی نظریات پر مشتمل ایک بلند پایہ تخلیق ہے وہیں اس سے یہ بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سائنسی نظریات سے کبھی

بھی کس طرح مغلوب نہ ہوتے اور انہوں نے علی الاعلان و ببانگ دہل سائنس کے غلط تصورات اور غیر اسلامی نظریات کا کھل کر محاسبہ کیا اور انہیں پوری طرح سے باطل ثابت کر دیا۔ فجزاھم اللہ

یہ چند اقتباسات بطور شہادت پیش کر دیئے گئے ہیں ورنہ اس موضوع پر مولانا احمد رضا خاں نے زبردست تحقیقات پیش کی ہیں جن کا تعارف کرانے کے لئے چند اوراق ہی نہیں بلکہ ضخیم تصانیف کی ضرورت ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی بابت اگست، ستمبر ۱۹۸۳ء، (فوز مبین نمبر، ص ۱۸۔

۲۔ فوز مبین نمبر، ص ۶۴۔

۳۔ فوز مبین در ردِ حرکتِ زمین، ص ۶۵۔

۴۔ فوز مبین نمبر، ص ۶۶۔

۵۔ فوز مبین در رد حرکت زمین، ص ۶۶۔

۶۔ فوز مبین در رد حرکتِ زمین، ص ۶۷۔

امام احمد رضا کا نظریہ مدوجزر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چیئرمین شعبہ پیٹرولیم ٹکنالوجی، جامعہ کراچی۔

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط [۱]

ترجمہ: یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے (گہرائی) کے درمیان میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر موج، اس کے اوپر بادل (تہہ بہ تہہ) اندھیریں ہیں ایک پر ایک۔

Or like darkness on the unfathomed sea:one wave covers up another wave, over which there[hang] coluds; layers of darkness,one above the other.[۲]

قرآن کریم میں سورۂ نور کے علاوہ بھی کئی سورتوں اور آیات میں سمندروں میں اٹھنے والی موجوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر حکم الٰہی کوئی شے اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی چہ جائیکہ سمندروں میں لہر پر لہر کا اٹھنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کے حکم سے پوری کائنات کے سسٹم کو انجام دے رہے ہیں۔ حضرتِ انسان کو کائنات کے اسی سسٹم کو سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے اور ان لوگوں کو عقلمند قرار دیا ہے جو اس کائنات کے معاملات کو

سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کائنات کے مختلف سسٹم کا ذکر کرنے کے بعد خداوند کریم سوچ وبچار کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ ۳

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جِلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور بادلوں کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے چند بندے اس کی بنائی ہوئی کائنات اور اس کے سسٹم پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اور کوئی سسٹم بغیر وجہ کے نہیں بنایا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ۴

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے! تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ ۵

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ کے ان ہی بندوں میں سے ایک بندۂ بشر ہیں جنھوں نے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں پر خوب غور و فکر کیا جس کی قرآن کریم میں دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ امام احمد رضا نے ہمیشہ کائنات کے کسی بھی سسٹم کو سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث کے اصولوں سے روشنی حاصل کی ہے اور سائنس کے ان اصولوں کا ہمیشہ رد کیا ہے جو آیاتِ

ربانی یا احادیثِ نبوی کے منفی ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا ایک مسلم سائنس دان کی نمائندگی کرتے ہیں جس طرح ان سے پچھلے مسلم سائنس دانوں نے قرآن و حدیث کے اصولوں کی روشنی میں کائنات کے مختلف پہلوؤں پر اپنی سوچ اور فکر کا اظہار کیا مگر افسوس دورِ حاضر کے مسلمان اور بالخصوص مسلمان سائنس دان اپنی ان بنیادی علمی کتب (یعنی قرآن و حدیث) سے افادہ نہیں کرتے۔ صرف اور صرف مغربی سائنسی اصولوں کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور ان کے ہی اصولوں کے مطابق اپنے تحقیقی کاموں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کاش ان دونوں بنیادی کتابوں سے بھی استفادہ کرتے تو شاید آج ساری سائنس قرآن و حدیث کے اصولوں سے منور ہوتی اور یوں اللہ اور اس کے رسول کے ناموں کی اور بلندی ہوتی۔

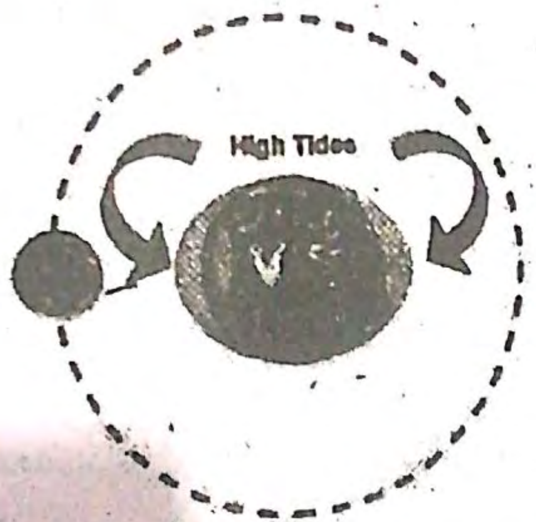
مقالہ ہٰذا کا تعلق سمندروں میں اٹھنے والی ان موجوں سے ہے جن کو علم البحر (Oceanography) کی اصطلاح میں "مد و جزر" [high tides/low tides] کہتے ہیں۔ اس کو ہندی زبان میں "جوار بھاٹا" بھی کہا جاتا ہے۔ سمندروں میں "مد و جزر" کئی وجوہات کے باعث وجود میں آتا ہے۔ یعنی "مد و جزر" کئی وجوہات کے باعث سمندروں میں پیدا ہوتا ہے اور ہر وجہ کے باعث اس کو الگ نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب ہواؤں کا شدید طوفان سمندر سے گزرتا ہے تو یہ طوفان بھی بہت بلند موجیں پیدا کرتا ہے اور یہ موجیں بلند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت تیز رفتار بھی ہوتی ہیں۔ ان کو طوفانی لہروں کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جب سمندر کی چٹانوں میں زلزلہ آتا ہے تو اس زلزلے سے پیدا ہونے والی آواز کی لہریں (Sound Waves) پانی کے اندر پہنچ کر سمندر کے پانی میں لہروں کو جنم دیتی ہیں اور یہ لہریں اپنے مقامِ زلزلہ سے لے کر چاروں طرف سمندر کے اندر پھیل جاتی ہیں اور تیز رفتاری کے ساتھ ساحلوں تک پہنچتی ہیں جن کی تیز رفتاری کے باعث ساحلوں پر زبردست طوفانی موجیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ یہ لہریں سونامی (Tsunami) کہلاتی ہیں۔ یہ دونوں اقسام کی موجیں یا لہریں وقتی ہوتی ہیں اور کچھ دیر کے بعد سمندر پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتا ہے۔ سمندر کے ساحلوں پر لہریں جو ہمہ وقت پیدا ہوتی ہیں اور ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہیں اور یہ سمندروں کی سطح پر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں جس کے باعث سمندر کا پانی آگے پیچھے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سمندری موجیں یا لہریں یا Tidal waves کہلاتی ہیں۔

سمندروں میں پیدا ہونے والی لہریں جو ۲۴ گھنٹوں میں دو دفعہ بلند اور دو دفعہ نیچے ہو جاتی ہیں، بظاہر چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے ان کی بلندی کم، زیادہ دکھائی دیتی ہے، ان لہروں کو "مد وجزر" کہا جاتا ہے۔

شکل نمبر ا:

Images of articles



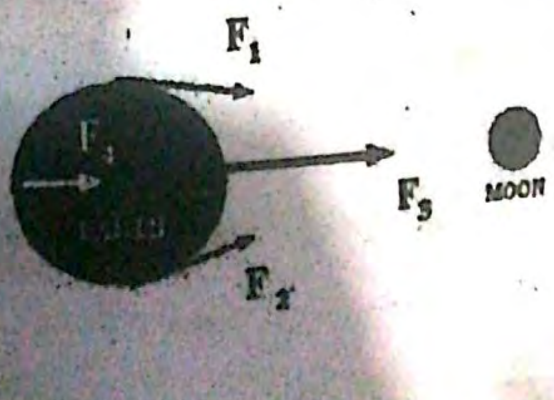
سائنس کی دنیا میں لہروں کا یہ خاص چڑھاؤ کا تعلق چاند اور سورج کی کشش ثقل (Gravitational Force) سے جوڑا جاتا ہے۔ اس نسبت سے صرف چاند اور سورج کی کشش کے باعث بیچ سمندروں کے پانی کا اتار چڑھاؤ "مد" کہلاتا ہے۔ شکل نمبر ۲ ملاحظہ کیجیے۔ اس کی لغت میں تعریف ملاحظہ کریں:

مد: عربی اسم مؤنث اور چاند کی کشش سے سمندر کے پانی کا چڑھاؤ کہلاتا ہے۔ ٦

شکل نمبر ۲ Tides:

شکل نمبر ۲ :

Tides



انسائیکلوپیڈیا میں اس کی تعریف مندرجہ ذیل کی گئی ہے:

"Term commonly applied to the rise and fall of the Ocean level twice at any place." ۷

مندرجہ بالا دونوں تعریفوں سے جو کلیہ بظاہر سمجھ آرہا ہے وہ یہ کہ "مدوجزر" کا تعلق چاند اور سورج کی کشش ثقل کے باعث ہے اور یہ ساحلوں سے دور سمندروں میں اٹھتی ہیں۔ سمندر کے علاوہ جھیلوں، دریاؤں اور کسی بھی کھڑے پانی میں نہیں اٹھتی ہیں اور دن میں دو دفعہ ان کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں سائنسی اصول کی بنیاد پر بتائی گئی ہیں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ سائنسی اصول بھی طویل جدوجہد اور تحقیق کے بعد کسی قانون کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سائنسی اصول قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ جہاں جہاں مطابقت ہے وہاں ہم سائنس کی سوچ کو یا قانون کو درست مانتے ہیں اور جہاں سائنس کے اصول قرآن وحدیث کے مخالف ہوں، ایک مسلمان کے لیے ان کو ماننا مناسب نہیں۔ یہی اصول امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی نے اپنایا۔ چنانچہ ایک مقام پر اس بات کا تعین کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے یوں تو معاذاللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل (اصول وقوانین) سے اس کے خلاف ہے، سب میں مسئلہ اسلامی (قرآن وحدیث کے اصول کے مطابق) کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس (جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں) کو مردود پامال (یعنی ان کا رد کیا کیا جائے) کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اصول کے اقوال سے اسلامی مسئلے کا اثبات کیا جائے۔ سائنس کا ابطال (رد) واسکات ہو۔" ۸

امام احمد رضا شریعتِ محمدی ﷺ کے انتہائی مستند عالم وفقیہ ہیں اور ملتِ اسلامیہ نے آپ کو چودھویں صدی ہجری کا "عظیم مجدد" بھی قرار دیا ہے۔ آپ دنیاوی علوم کے بھی عظیم اسکالر ہیں کہ دنیاوی علوم کے ماہرین نے آپ کو نوبل پرائز کا اول حقدار قرار دیا۔ (ڈاکٹر سر ضیا الدین، وائس چانسلر، علی گڑھ یونیورسٹی) اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امام احمد رضا بلاشبہ ہر دنیاوی علم کے ماہر تھے۔

چنانچہ آج راقم ان کو علم البحر کے ماہر کی حیثیت سے روشناس کروا رہا ہے اور یہ مقالہ امام احمد رضا کو نہ صرف ایک ماہر Occanogtapher ثابت کرے گا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ان کو ایک "عظیم سائنس دان" بھی ثابت کرے گا۔

امام احمد رضا نے ایک رسالہ بعنوان "فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین" (۱۳۳۸ھ) تحریر کیا تھا جس میں ۱۱۵ دلائل سے یہ ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج سمیت تمام سیارے اس کے گرد گھوم گھوم رہے ہیں۔

اگرچہ یہ دورِ حاضر کے مسلمان سائنس دانوں کے لیے اچنبھا ہے لیکن اگر امام احمد رضا کے دلائل کو بغور سمجھ کر زمین کی سکونت یا سورج کی گردش کو بغور مطالعہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ امام احمد رضا کا موقف صحیح ثابت ہو۔ اسی کتاب (فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین) میں ایک ذیلی بحث "مدّ و جزر" کی بھی ہے جو صفحہ ۴۹ تا ۵۸ پھیلی ہوئی ہے اس بحث میں امام احمد رضا نہ صرف ایک ماہر "علم البحر" نظر آتے ہیں بلکہ ساتھ ہی ماہر علم ہیئت بھی کہ آج سے ۹۰ برس قبل امام احمد رضا علم البحر کے حوالے سے مندرجہ ذیل باتیں جانتے تھے۔ اگرچہ آپ بنیادی طور پر ایک عالم دین تھے مگر دنیاوی علوم و فنون پر بھی بھرپور دسترس رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ:

۱۔ سمندروں کے نیچے آگ سلگ رہی ہے۔
۲۔ سمندروں کی گہرائی ۵۔۶ میل ہے۔
۳۔ چند سو فٹ کی گہرائی کے بعد سمندر کا پانی ٹھہرا ہوا ہے۔
۴۔ مدّ و جزر کا اثر صرف اوپری سطح پر موجود پانی پر ہوتا ہے۔
۵۔ چاند کا زمین سے یا سورج کا چاند سے فاصلہ کتنا ہے۔
۶۔ چاند، سورج اور زمین کا ایک دوسرے کی نسبت حجم کی مناسبت کیا ہے۔
۷۔ سمندروں میں کب اور کہاں آتشی مادے ابلتے ہیں۔
۸۔ تین بڑے سمندروں کے علاوہ بقیہ سمندروں اور دیگر پانیوں میں مدّ و جزر کیوں نہیں پیدا ہوتا۔

۹۔ مدوجزر کی زیادہ سے زیادہ بلند موج کن سمندروں میں ہوتی ہے۔

۱۰۔ مدوجزر کا تعلق قطعاً چاند اور سورج کی کشش کے باعث نہیں ہے۔

۱۱۔ اول مدوجزر اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔

۱۲۔ دوم مدوجزر سمندر کی گہرائی میں موجود آتشی مادے کی حرارت کی منتقلی کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔

اس سے قبل کہ امام احمد رضا کے دلائل کو پیش کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے قارئین کرام کو دورِ حاضر کے سائنسی اصولوں سے آگاہ کروں کہ مدّوجزر کو سائنس کس تناظر میں دیکھتی ہے۔ اس کے بعد ان سائنسی اصولوں کی خامیوں کی نشاندہی امام احمد رضا کے دلائل کی روشنی میں پیش کروں گا۔ ملاحظہ کیجیے ایک بھرپور نظریہ مدوجزر انسائیکلوپیڈیا کے حوالے سے:

"The part of the ocean that is nearer the moon is attracted more strongly then is the solid earth and the solid earth is attracted more than the part of the ocean that is turned away from the moon. Therefore,bulges in two high tides on opposite side of the earth"[۹]

مفہوم یہ ہے کہ جو سمندر کا حصہ چاند کی طرف رخ کرتا ہے اس کو چاند زیادہ قوت سے اپنی طرف کھینچتا ہے بہ نسبت زمین کے اور دوسری جانب سمندر کے نیچے کی زمین کو چاند زیادہ کھینچتا ہے۔ بہ نسبت اس کے پانی کے اس لیے دو ابھار پانی کے [مدّ] ہوتے ہیں۔

علم طبیعیات (Physics) کے اعتبار سے مدّ (Lunar Tide) کی تعریف ملاحظہ کریں:

The word "Tides" is a generic term used to define the alternating rise and fall in sealevel with respect to the land [of the earth],produced by the gravitational attraaction of the moon and the sun.

The "tide generating" force is the difference between these two forces. On the surface if the Earth nearest moon, gravity is greater than the rotational force, and so there is a net force towards the moon causing a bulge towards the moon. On the opposite side of the earth, gravity is rotational force is dominant. Hence, there is a net force away from the moon.It is this that creates the second bulg away from the moon.[۱۰]

شکل نمبر ۳:



مفہوم: سمندروں میں پانی کا اتار چڑھاؤ چاند اور سورج کی قوت کششِ ثقل کے باعث پیدا ہوتا ہے۔

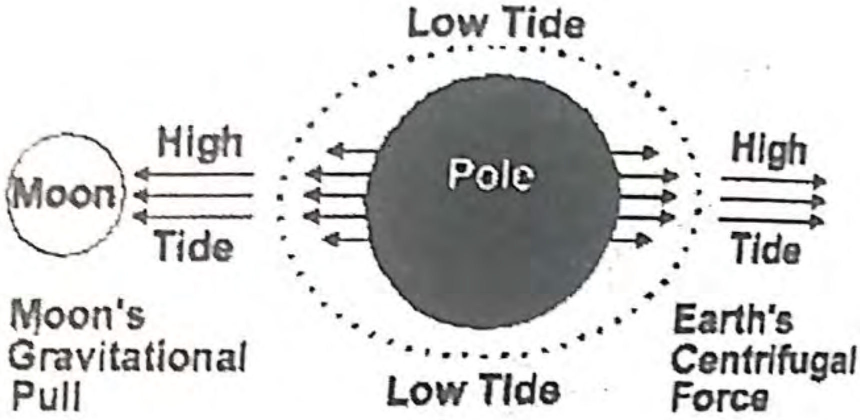
تصویر میں دائیں جانب حصہ (a) کی طرف اس عمل کو دکھایا گیا ہے کہ چاند زمین کے پانی کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور زمین کی قوتِ کشش پانی کو اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی یا زمین کی قوتِ کشش پانی کو اپنی طرف کھینچنے سے قاصر رہتی ہے اس لیے پانی میں ابھار مد پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت میں دوسری طرف (b) چاند کی کشش پانی کو نہیں کھینچ پاتی ہے اور چونکہ زمین گھوم رہی ہے اس لیے دوسری طرف کا پانی (centrifugal force) کے باعث زمین سے باہر بھاگتا ہے جس کے باعث اسی وقت میں دوسری طرف بھی ابھار (مدّ) پیدا ہو رہا ہے۔

ایک اور تعریف ملاحظہ کیجیے:

Tide is the verticle movement of water and only goes up and down. Current is horizontal and sideways flow of water. A tide is the rise and fall of water caused by gravitational forces of the moon and sun on the ocean of the earth.

پانی کا مدّ دراصل پانی کا بلند ہونا ہے چنانچہ مدّ کے وقت پانی بلندی پر جاتا ہے، پھر گر جاتا ہے جب کہ (Current Waves) موج میں پانی سطحِ سمندر پر دوڑتا ہے۔ مدّ کا تعلق چاند اور سورج کی قوتِ کشش سے ہوتا ہے جس کے باعث وہ پانی اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے نیچے دی گئی تصویر میں کہ کس طرح مدّ (Tide) پیدا ہوتا ہے۔

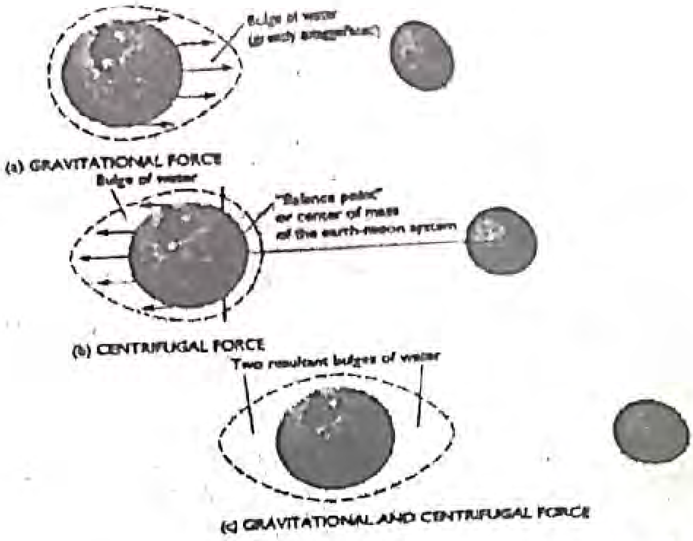
شکل نمبر ۴:



The gravity pull of the moon tugs on the surface of the ocean until its surface mounds up and outward in the direction of moon. When the mound of water has reached its highest point, it is called "High Tide". On the opposite side of the earth from the moon, the centrifugal force caused by the Earth's rotation produces anogher mound of water and "High tide". Between these two high tides ard two flat areas on the surface of the ocean(at polesides) which are the "Low Tides"۔ [۱۱]

چاند کی قوتِ کشش سمندر کی سطح پر اثر ڈالتی ہے جس کے باعث سمندر کا پانی اوپر اٹھتا ہے یا چاند کی طرف بڑھتا ہے جیسا کہ تصویر نمبر ۴ میں چاند کے رخ کی طرف کا حصہ نظر آرہا ہے اور جب یہ پانی کا ابھار اپنے انتہا کو پہنچتا ہے تو اس کو High tide کہا جاتا ہے۔ تصویر نمبر ۴ کے دائیں طرف کے رخ کو دیکھیں جس طرف چاند نہیں ہے اور چاند کی قوتِ کشش اس طرف سمندر کے پانی کو کھینچنے سے قاصر رہتی ہے[کیونکہ بیچ میں زمین کی قوتِ کشش ہے[اور دوسری طرف کیونکہ زمین گھوم رہی ہے جس کے باعث ایک قوت (Centrifugal force) مرکز سے باہر کی طرف پھینکنے کی پیدا ہوتی ہے اس لیے زمین اس طرف پانی کو باہر کی طرف پھینکتی ہے اور اس طرف کا پانی بھی اسی وقت اٹھتا ہے جس وقت چاند کی کشش کے باعث بائیں طرف کا اٹھ رہا تھا۔ لہٰذا اس طرف بھی اتنی بڑی یا اونچی Tide پیدا ہوتی ہے۔

شکل نمبر ۵:



تصویر نمبر ۵ میں دائیں بائیں تو High tide دیکھی جاسکتی ہیں۔ اسی وقت دونوں قطبین کی طرف پانی کی سطح گرتی ہے جس کے باعث وہاں Low tides پیدا ہوتی ہیں۔

Due to the cyclic rotation of the earth and moon, the tidal cycle is 24 hourse & 52 minutes long. During thes time, any point on the earth's surface experiences two high tides and two low tides.

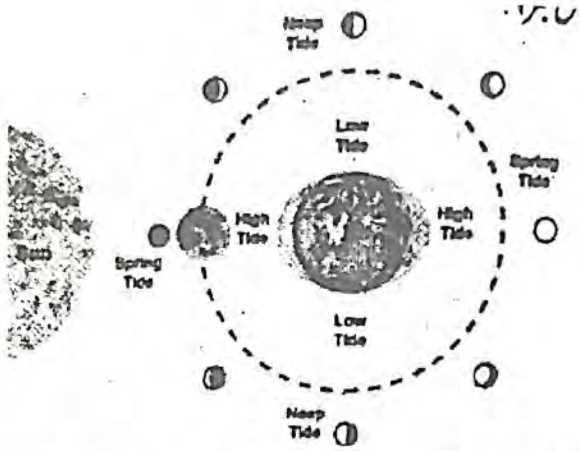
چاند، زمین اور سورج کی گردش کا دورانیہ کیونکہ برابر نہیں اس لیے مدّ ہر ۲۵ گھنٹے کے بعد دو High tides اور دو Low tides بناتے ہیں یا پھر ۱۲ گھنٹے اور ۲۵ منٹ کے بعد سمندر پر High اور Low tides بنتی ہیں۔ چاند کی قوتِ کشش زمین کے پانی پر کیونکر اپنا اثر زیادہ ہوتی ہے باوجود کہ سورج کی قوتِ کشش ثقل چاند کی قوتِ کشش ثقل سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا جواب علم طبیعیات کی زبان میں ملاحظہ کیجیے:

The moon, which is approximately 240,000 miles [386,240 Km] from the earth,exert a greater influence on the tides then does the sun, which sits 93 million miles [150 million km.] from the earth. The strength of the sun's gravity is 179 times that of the moon's but the moon is responsible for 56% of the Earth's tidal energy which the sun claims responsibility for a more 44%[due to the moon's proximity but the sun's much longer size].

چاند زمین سے 240,000 میل دور ہے جب کہ سورج زمین سے ۹۳ ملین میل دور۔ اسی طرح سورج کی قوتِ کشش ثقل چاند کی قوتِ کشش ثقل سے ۱۷۹ گنا زیادہ ہے مگر علم طبیعیات کے اعتبار سے چاند کی قوتِ کشش زمین کے پانی پر زیادہ اثر ڈالتی ہے۔

When the sun, moon and the earth are lines up, the sun and moon are exerting their strongest force together and tidal ranges ard at their mass maximum. This is known as spring tides. This occur twice each month, when the moon is full and new. At the first quater and third quarter moon, the moon and sun are at 45 angle to each other and their gravitational energy is diminished. The low tide called neap tides and formed۱۲ے

شکل نمبر ۶:



دورانِ گردش ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند، سورج اور زمین ایک لائن میں ہوتے ہیں یا سورج زمین کے ایک طرف اور چاند دوسری طرف۔ اس دوران سب سے بلند Tide پیدا ہوتی ہیں جن کو Spring Tide کہا جاتا ہے اور جب چاند اور سورج ۴۵ کا زاویہ بنائیں جس طرح تصویر نمبر ۶ میں دیکھا جاسکتا ہے تو اس وقت زمین کی قوت کم ہوتی ہے اور چاند کی قوت زیادہ۔ اس لیے چاند کی طرف سمندر زیادہ بلند مد بناتا ہے اور سورج کی طرف یہ مد کم ہوتا ہے۔ اس صورتحال کو Neaptide کہا جاتا ہے۔

علم طبعیات کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

- چاند اور سورج کی قوتِ کشش ثقل زمین پر موجود صرف پانی پر اپنا اثر ڈالتی ہیں اور اس اثر کے باعث (Bulge) پانی میں بلندی پیدا ہوتی ہے جس کو Tide یا مد کہا جاتا ہے۔
- چاند کی کشش ثقل کا اثر سورج کی کشش ثقل سے زیادہ ہے اگرچہ سورج کا حجم بھی زیادہ ہے اور اس کی gravity بھی بہت زیادہ ہے مگر چاند چونکہ قریب ہے اس لیے اس کی کشش زیادہ پائی جاتی ہے۔
- اصولی طور پر جب زمین مستقل گردش کر رہی ہے تو اس کی spin کے باعث Centrifugal force چاروں طرف از خود برابر ہونا چاہیے اور اس قوت کے باعث سمندر کا پانی چاروں طرف یکساں اٹھنا چاہیے

یعنی پوری زمین پر اس کے چاروں طرف ہمہ وقت ایک مستقل ابھار مدّ ہونا چاہیے جس طرح کوئی بالٹی میں پانی بھر کر گھماتا ہے تو پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے اس لیے سائنسی قانون کے تحت یہ Bulging مستقل ہونا چاہیے اور چاروں طرف برابر بھی اگر چاند پانی کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو چاند کے رخ پر Bulge یا مدّ زیادہ ہو سکتا ہے مگر سائنسی اعتبار سے دونوں جانب مدّ برابر ہوتا ہے اور ہر ۱۲ گھنٹے کے بعد۔

اسی طرح جب سورج اور چاند ایک طرف ہو جائیں تو اب اس طرف سمندر کے پانی کو تین تو تیں ملیں گی جب کہ دوسری جانب صرف ایک قوت ہو گی۔ اس لحاظ سے اب ان دونوں میں Bulge (ابھار) کا فرق ۳ گنا ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

- چاند کی گردش ۲۴ گھنٹے جاری ہے اور سائنس کے اعتبار سے زمین کی گردش بھی۔ اس لحاظ سے زمین کی Centrifugal force چاروں طرف برابر ہونا چاہیے اور قطبین پر بھی اسی Centrifugal force کے باعث برابر کا bulge یا مدّ بننا چاہیے مگر تعجب کہ قطبین پر کم اور قطر کے دونوں طرف بڑا مدّ پیدا ہوتا ہے اس کے برعکس تین طرف کا مدّ ایک جیسا اور چاند کے رخ کا مدّ ان تینوں سے زیادہ ہونا چاہیے۔

قارئین کرام! اب امام احمد رضا کے نظریے کو ملاحظہ کریں اور حقیقت سے آگاہی حاصل کریں کہ قدرت کیا کر رہی ہے اور انسان یا سائنسی مفروضہ کیا سبق دے رہا ہے۔ امام احمد رضا کے نظریۂ مدّ سے قبل جن سائنسی اصولوں کے تحت بحث کی گئی ہے، امام احمد رضا نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے جو دلائل دیے ہیں وہ بھی ملاحظہ کریں:

سائنسی قانون میں بتایا گیا کہ زمین کے پانی کو چاند کھینچتا ہے اور دوسری طرف کا پانی Centrifugal force کے باعث باہر کی طرف بھاگتا ہے یا اٹھتا ہے اور اس لحاظ سے دونوں طرف مدّ برابر ہوتا ہے۔

امام احمد رضا لکھتے ہیں: چاند زمین کے ایک طرف ہو گا۔ دوسری طرف پانی کس نے کھینچا؟ یہ تو جذب [attraction] نہ ہوا بلکہ دفع [repulsion] ہوا۔

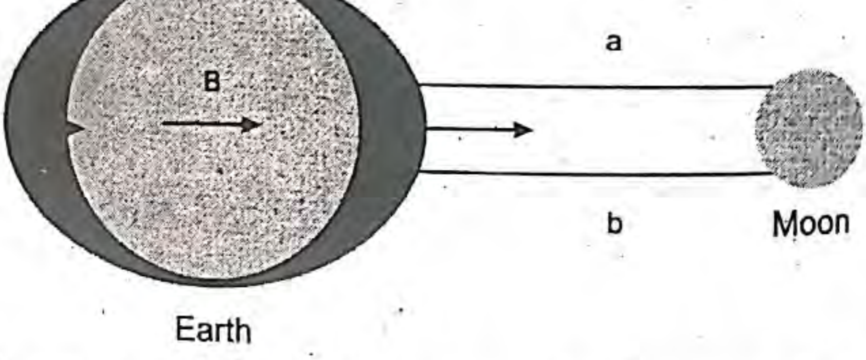
آگے چل کر لکھتے ہیں:

اصول الہیئات[principles of physics]وغیرہ میں اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بعید پر جذب کم ہوتا ہے(یعنی دوسری طرف کا پانی چاند سے کیونکہ دور ہے اس لیے اس پر چاند کے جذبattraction یا چاند کی gravitational pullکا اثر کم ہوتا ہے لہٰذا وہاں زمین کی Centrifugal force کے باعثBulge پیدا ہوجاتا ہے)

امام احمد رضا اصول ہیت کو مزید وضاحت کرکے تعاقب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

سمت مواجہ قمر(چاند کی طرف منھ کیے ہوئے پانی) میں پانی قمر سے قریب اور زمین(چاند کی زمین یا سطح) سے بعید لہٰذا پانی پر زمین سے زیادہ جذب ہوا اور بہ نسبت زمین کے چاند سے قریب تر ہو گیا(فاصلہa) یوں ارتفاع (Bulge)ہوا(ابھار ہوا یا مدLunar tideپیدا ہوئی) جیسا کہ شکل نمبر ۷ میں دکھایا گیا ہے۔

شکل نمبر ۷:



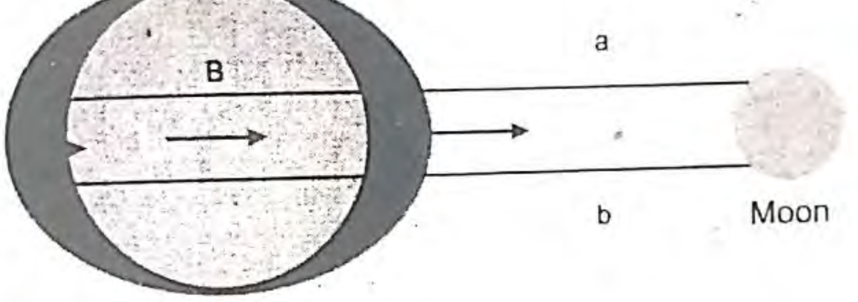
اس تصویر میں فاصلہ (a) چاند کی زمین سے لے کر پانی کی اوپری سطح کا فاصلہ ہے جب کہ فاصلہ (b) چاند کی زمین سے لے کر سمندر کے نیچے زمین کی تہہ تک کا فاصلہ ہے جو زیادہ سے زیادہ ۵۔۶ میل اضافی ہے۔

(دوسری طرف) اُدھر کا پانی قمر سے بعید اور زمین قریب ہے[تصویر نمبر ۸ میں فاصلہ (a)چاند اور پانی کی سطح کے درمیان کا فاصلہ ہے جب کہ فاصلہ (b) چاند اور پانی کے نیچے کی زمین کا فاصلہ ہے جو پہلے والے فاصلہ (a) سے ۵۔۶ میل کم ہے]لہٰذا زمین پر پانی سے زیادہ جذب ہوا[یعنی تصویر نمبر ۸ میں چاند

زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا یا بہ نسبت کہ وہ پانی کو جذب کرے اور پانی کو صرف اس لیے نہیں کھینچ رہا کہ وہ صرف ۵۔۶ میل دور ہے اور ۵۔۶ میل کا فاصلہ ہونے کے باعث یہاں قانون الٹا ہو گیا کہ اس نے پانی کو جذب کرنے کے بجائے زمین کو جذب کرنا شروع کر دیا۔]

اور ادھر کا حصہ زمین چاند سے بہ نسبت آب [پانی] قریب تر ہو گیا [فاصلہ (a) شکل ۸]

شکل نمبر ۸:



تو وہ پانی مرکزِ زمین سے دور ہو گیا [شکل نمبر ۸ میں زمین کے بائیں جانب کا پانی مرکز سے دور بتایا جا رہا ہے کہ جب کہ شکل نمبر ۷ میں دائیں جانب کا پانی بھی اسی حالت میں جس حالت میں پانی کی شکل ۸ میں ہے] اور مرکز زمین سے دوری بلندی [Bulge] ہے۔ اُدھر یوں ارتفع ہوا [شکل ۸ میں دائیں طرف کا پانی جو بلند ہوا، اس کی وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ پانی مرکز سے دور ہے اور زمین کو چاند جذب کر رہا ہے اس لیے دائیں طرف کا پانی بلند ہو کر ارتفع (مدّ) پیدا کر رہا ہے]

امام احمد رضا اصول ہیئت کو مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ان اصولوں کا رد کرتے ہوئے چند سوالات اٹھا رہے ہیں:

جس طرح قُرب وبُعد سے اثر جذب میں اختلاف ہوتا ہے [یعنی جو چیز قریب ہے اس کو آسانی سے اور جلدی کھینچا جا سکتا ہے اور جوں جوں دور ہوتی جائے گی اثر جذب (Force of attraction) کم سے کم ہوتا جائے گا تو جس طرح فاصلے کی کمی بیشی سے اثر جذب میں اختلاف پیدا ہوتا ہے] یوں ہی مجذوب [جو شے کھینچ رہی ہے] کے ثقل وخفت [ہلکے، بھاری ہونے کی وجہ] سے بھاری چیز کم کھینچے گی (بھاری چیز کو کھینچنے

کے لیے بہت زیادہ قوت درکار ہوتی اس لیے وہ کم قوت سے کم کھینچے گی) اور ہلکی زیادہ (یعنی ہلکی چیز کو کھینچنا آسان ہے اور وہ زیادہ جلدی کھینچی جاسکتی ہے)۔

امام احمد رضا یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ:

سمت مقابل کا پانی (جیسا کہ شکل نمبر ۸ میں زمین کے دائیں طرف کا پانی) بہ نسبت زمین کیا ایسا بعید ہے (یعنی کیا بہت دور ہو گیا جس کے باعث چاند اپنا اثر پانی پر نہیں ڈال سکا یا چاند کا اثر جذب کمزور ہو گیا کہ وہ پانی کو جذب نہیں کر رہا، جب کہ چاند اتنی بڑی زمین کو جذب کر رہا ہے جس کی وجہ سے پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے) کہ سمندر کی گہرائی (جو) زیادہ سے زیادہ ۵ میل بتائی گئی اور قمر کے بُعد (زمین سے دوری) اوسطاً (average) میل 238,833 ہے اور زمین کا قطر معدل میل 7913 تو اس جانب (شکل نمبر ۸ کے دائیں جانب کے پانی کے نیچے کی زمین) کے اجزائے ارضیہ کا قمر سے بعد (7313+238,833=246,746) 246,746 میل ہوا۔ اس کثیر بُعد (اتنے بڑے فاصلے) پر ۶-۵ میل کا اضافہ ایسا کیا فرق دے گا۔ (یعنی 246,746 کے بجائے 246,752 میل ہونے سے اتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا کہ چاند پانی کو کھینچنے کی صلاحیت کھو بیٹھا اور پانی جو کہ ہلکا ہے اس کے بجائے اتنی بھاری زمین کو کھینچنے لگا)۔

امام احمد رضا مزید ایک سوال اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پانی بہ نسبت زمین بہت ہلکا ہے۔ زمین کی کثافت پانی سے ۶ گنا قریب ہے [یعنی ۵ء۶۷ کے قریب] تو اگر تفاوت کے بُعد اس کے جذب میں کمی کرے [یعنی قمر جو شکل (۸) میں پانی سے دور دکھا گیا ہے، صرف ۵-۶ میل کی دوری سے جذب میں یا اس کو اپنی طرف کھینچنے میں کمزور پڑ رہا ہے] تو تفاوت ثقل [Difference of gravity pull] اس کمی [جو شکل نمبر ۸ میں پانی قمر کی طرف نہیں کھینچ رہا ہے محض چند میل کی دوری کی وجہ سے تو زمین پانی کے بالکل متصل ہے۔ یہ زمین کی کشش اس پانی کو کیونکر نہیں جذب کر رہی کہ وہ زمین کی کسی کشش ثقل چاند کی ثقل سے کہیں زیادہ ہے اور کثافت زمین بھی پانی سے زیادہ ہے] پر غالب آئے گا یا نہ سہی [اگر ثقل زمین زیادہ نہ بھی ہے تو اتنا تو ہو گا کہ وہ چاند کے مقابلے میں پانی کو زیادہ جذب کرے] پوری تو کر دے گا اور زمین و آب پر جذب یکساں رہ کر پانی زمین سے ملا ہی

رہے گا (یعنی اگر زمین کی قوتِ جذب پانی پر غالب نہ بھی آئے تو قمر کے جذب کی کمی کو وہ پورا کر دے اور یوں پانی زمین سے متصل رہے کسی قسم کی کوئی مدtide پیدا نہ ہو) تو مد نہ ہوگا بخلاف مواجہ قمر (facingmoon toward Earth) کہ ادھر کا پانی قرب و لطافت دونوں کا تابع ہے۔ (جیسا کہ شکل نمبر ۷ میں بتایا گیا ہے کہ چاند کے دائیں طرف زمین ہے اور زمین کے بائیں طرف کا پانی چاند کی طرف رخ کیے ہوئے ہے، یہ پانی اپنی لطافت یعنی کم کثافت کی بنا اور چاند سے اس پانی کا زمین کی سطح کے مقابلے میں فاصلہ بھی کم ہے) تو اسی طرف مد ہونا چاہیے (دوسری طرف مد کیونکر ہوتا ہے)۔

امام احمد رضا اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سائنسی اصول کے تحت جو بتایا جاتا ہے کہ ایک ہی وقت میں زمین کے دونوں جانب سمندروں کے اندر ابھار پیدا ہوتا ہے اور دونوں طرف برابر کی مد پیدا ہوتی ہیں جب کہ صورتحال یکساں نہیں ہوتی یا رہتی کیونکہ کبھی چاند اور سورج دونوں ایک لائن میں زمین کے بائیں یا دائیں جانب ہوتے ہیں کبھی چاند اور سورج زمین کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ کبھی چاند اور سورج زمین سے ۴۵ درجہ بناتے ہیں دوسری طرف زمین گھوم رہی ہے۔ اس کے باعث Centrifugal force پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے پانی باہر کی طرف اٹھتا ہے۔ پھر چاند اور سورج کی قوتِ کشش بھی زمین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان سب مختلف صورتحال میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں جانب برابر کی High tide پیدا ہوں یا Low tide بنیں۔ پھر عجیب تر صورتحال یہاں تک بتائی جاتی ہے کہ زمین کے ایک طرف چاند کی کششِ ثقل کام کرتی ہے اور دوسری طرف خود زمین کی Centrifugal force کا اثر اتنا زیادہ اور برابر کا ہوتا ہے کہ دونوں جانب برابر کی (Same heigh tide) مد پیدا ہوتی ہیں۔

امام احمد رضا نے کششِ ماہ سے مد ہونے کے عمل کو گرفت کرتے ہوئے سوال کیا کہ:

اگر کششِ ماہ [gravity pull of moon] سے مد [lunartide] ہوتا ہے تو چھوٹے پانیوں other than three [great oceans] میں (مد) کیوں نہیں ہوتا۔ چاند جس پانی کے سامنے آئے گا اسے کھینچے گا [اس اصول کے تحت کہ چاند پانی کو اپنی طرف کھینچتا ہے جس کے باعث مد ہوتا ہے تو چاند کو ہر پانی اپنی طرف کھینچنا چاہیے

چاہے وہ کیپین سمندر (Caspian Sea) ہو یا بالٹک سمندر (Baltic Sea)، وہ میڈ ٹیرین سمندر (Mediterian Sea) ہو یا بحر احمر (Red Sea)] اس کے جواب میں [کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چاند صرف ۳ سمندروں (pacific, Atlantic & indianaocean) کے پانی کو کھینچتا ہے] اصول ہیئات نے تو ہتھیار ڈال دیے اور کہا یہ کسی مقامی سبب سے ہے۔

امام احمد رضا اس گرفت کے بعد اس اصول کارڈ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہی کہنا تھا [کہ چاند مقامی سبب سے کسی کسی پانی کو جذب کرتا ہے] تو وہاں کہنا چاہیے تھا کہ مدوجزر کا کوئی مقامی سبب ہے [نہ کہ جو کچھ سائنس نے اوپر بیان کیا] جس کے باعث یہ قاہر ایراد (blundermistakes) نہ ہوتے۔

امام احمد رضا سائنس کے ایک اور اصول کی گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورج کی قوتِ کشش چاند کی قوت کشش سے کہیں زیادہ ہے تو چاند کیونکر پانی کو جذب کرتا ہے سورج کیوں نہیں کرتا؟ اس کا جواب سائنس نے یہ دیا کہ پانی چاند سے قریب ہے اور سورج سے دور اس لیے چاند سے مدّ زیادہ ہوتا ہے اور سورج سے کم، امام احمد رضا خان اس قانون کی گرفت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"کہا آفتاب پانی کو جذب نہیں کرتا حالانکہ وہ (سورج) حرارت اور یہ (پانی) رطوبت (Liquid ہے) اور حرارت (Heat Energy) جاذب رطوبت ہے [یعنی حرارت رطوبت کو جذب کرنے کی بھرپور قوت رکھتی ہے] شمس اگر بہ نسبت قمر (زمین کے پانی کے اعتبار سے) بعید تر (بہت دور سہی) ہے تو دونوں کے مادے (masses) کی نسبت تو دیکھ بُعد شمس (سورج کی دوری) بُعد قمر کا 373.33 ہی مثل ہے (یعنی چاند کے مقابلے میں سورج زمین سے 373.33 گنا دور ہے) اور مادہ شمسی (mass of sun) تو مادہ قمر کا تقریباً ڈھائی کروڑ گنا یا اس سے بھی زیادہ ہے تو اس حساب سے جذب شمس (Gravitational pull of sun) زائد ہونا تھا اور رات دن میں چار مدّ (4, high tides) ہوتے ہیں دو قمر سے اور دو شمس سے (سائنسی اصول کے مطابق (حالانکہ دو ہی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا (ثابت ہوتا ہے کہ جب) جذب شمس نہیں

(شمس میں جذب کرنے کی قوت نہیں) تو جذب قمر بالاولی نہیں (تو پھر جذب قمر ہونا ہی نہیں چاہیے یا اس کا جذب بہت کم اور کم زور ہو)۔

سائنسی اصول کے اعتبار سے سورج چاند کے مقابلے میں بہت دور ہے اس لیے وہ چاند کے مقابلے میں کمزور جذب رکھتا ہے اور چاند زیادہ طاقتور مدّ پیدا کرتا ہے۔

امام احمد رضا کا بہت واضح جواب یہ ہے کہ دوری اپنی جگہ درست بات ہے مگر مادوں کا فرق تو دیکھو کہ چاند سے ڈھائی کروڑ گنا زیادہ جحم تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ سورج اپنے سے زیادہ حجم کے باعث کم حجم والے کو اپنی طرف جذب کرے۔

امام احمد رضا نے اس کے علاوہ کئی اور پہلو پر گفتگو فرمائی ہے اور سائنس کے ایک ایک اصول کا رد کرتے ہوئے ان کو آگاہ کیا کہ اپنے اصولوں کو بغور دیکھو یہاں تمام پہلوؤں پر گفتگو نہیں کی جا سکتی البتہ ایسے چند نکات پیش کیے ہیں کہ قارئین کرام بھی ان باتوں کو سمجھ سکیں اگر موقع ملا تو ایک مقالہ تفصیل سے لکھنے کی کوشش کروں گا آخر میں امام احمد رضا کا نظریہ مدّ و جزر ملاحظہ کیجیے جو عین قرآن و حدیث کے مطابق بھی ہے اور ان سائنسی اصولوں کے تحت جن پر سائنس دانوں نے ابھی توجہ نہیں کی ہے بالکل درست نظر آتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

موج مدّ (Tidal wave) [جس کو سائنس میں Lunar tide بھی کہا جاتا ہے] کو تفاوت جذب جانبین ارضی موقوف ماننا [یعنی جس طرح سورج چاند کے مقابلے میں زمین سے دور ہے اور اسی دوری کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ قمر قریب ہے اس لیے جذب کرتا ہے اور سورج دور ہے اس لیے کمزور جذب کرتا ہے] کیسا جھل شدید ہے۔ (کیونکہ مدّ کو ایک اصول سے نہیں بتایا جاتا ایک طرف کی مدّ زمین کی قوت کشش کے باعث اور دوسری طرف مدّ چاند کی کشش کے باعث جب کہ سورج اس منظر کو کھڑے ہوئے صرف دیکھ رہا ہے اور کوئی اثر نہیں ڈال رہا)۔

امام احمد رضا ان تمام معاملات میں سب سے پہلے خداوند کریم کی قدرت کا اظہار فرماتے ہیں پھر اپنا نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت [کہ کوئی عمل کس طرح ہوا] محض ارادۃ اللہ جل و علا ہے
مسببات (Events that happens) کو جو اسباب (Causes) سے مربوط [تعلق] فرمایا ہے سب کا جان لینا ہمیں
کیا ضرور بلکہ عطعاً نامقدور کون بتا سکتا ہے کہ سوزن مقناطیس (Magnetic needle) کا جدی الفرقد [جدی
ستارہ] کی طرف کیوں اپنا رخ کیے رہتی ہے] سے کیا ارتباط ہے [یعنی میگنٹ کی سوئی کیونکر ایک خاص
سمت کی نشان دہی کرتی ہے اور اس کو کنٹرول کرتی ہے] ابھی گزرا [اوپر بیان ہوا] کہ اصول ھئیات میں
بحیرات وانھر [کسی سمندروں اور مختلف پانیوں میں] مد (tide) نہ ہونا [مد کا وہاں ظہور نہ ہونا] سبب مجہول
کی طرف نسبت کیا [کہ مقامی سبب کی بنا پر چاند کچھ پانیوں کو جذب کرتا ہے کچھ کو نہیں اور کچھ کو کیوں
کرتا ہے اور کچھ کو کیوں نہیں کس کو معلوم کہ یوں کیا ہوتا ہے]۔

ہمارے یہاں [دین اسلام کی تعلیمات میں] تو ثابت ہی تھا (پہلے سے ثابت تھا یعنی ۱۴۰۰ سال قبل
سے) کہ سمندر کے نیچے آگ ہے [جیسا کہ] قرآن عظیم نے فرمایا:

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۱۳

ترجمہ: اور (قسم ہے) سلگائے ہوئے سمندروں کی۔

اور حدیث میں ہے: ان تحت البحر نارا

بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے۔ (المستدرک حاکم)

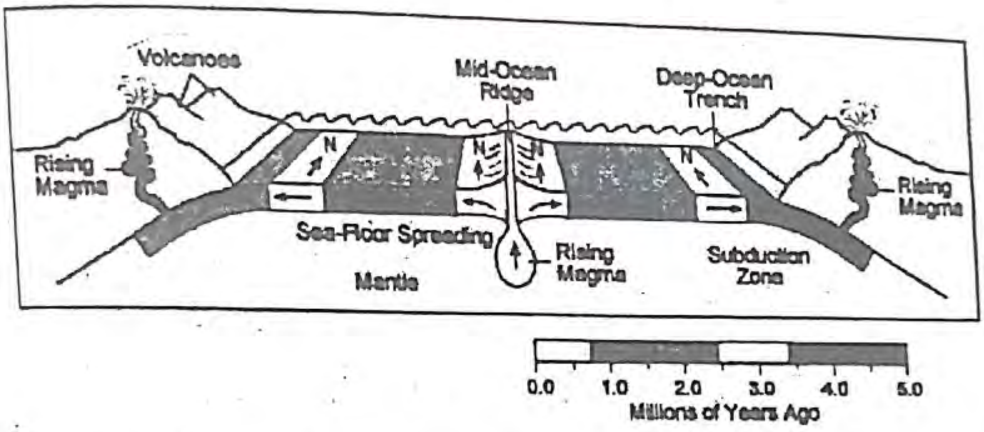
ہیئت جدیدہ بھی اسے مانتی ہے۔

The oceanic trenches are hemispheric-scale long but narrow topographic depressions of the sea floor. They are also the deepest parts of the ocean floor.

Trenches define one of the most important natural boundaries on the Earth's solid surface, that between two lithospheric plates. There ard three types of lithospheric plate boundaries: divergent (where lithosphere and oceanic crust is created at mid-ocean ridges), convergent (where one lithospheric plate sinks beneath another and returns to the mantle) < and transform (where two lithospheric plates slide past each other). Trenches are the spectacular and distinctive morphological features of convergent plate boundaries. Plates move together along convergent plate boundarie's at convergence rates that vary from a few millimeters to ten or more centimeters per year. A trench marks the position at which the flexed, subducting slab begins to

descend beneath another lithospheric slab. Trenches ard generally parallel to a volcanic island are, and trenches about 200 km from a volcanic arc. Oceanic trenches typically extend 3 to 4 km (1.9 to2.5 mi) below the level of the surrounding oceanic floor. The deepest ocean depth to be sounded is in the Challenger Deep of the Marana Trench at a depth of10, 911 m (35,798 ft) below sea level. Oceanic lithosphere disappears into trenches at a global rate of about a tenth of a square meter per second.

شکل نمبر۹:



امام احمد رضا بحر الکاہل میں ۱۰۵۶ء کے سال ایک سمندری آتش فشاں کے پھٹنے کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"۱۰۵۶ء میں بحر الکاہل(Pacific Ocean)سے دھواں (smoke,ash) نکلنا شروع ہوا اور مادۂ آتش(Volcanic molten Material) کہ قعر دریا(Oceanic trench) سے نکلا تھا مجتمع و منجمد(Solidify)ہو کر سطح آب پر بشکل جزیرہ(Island) ہو گیا۔ اس میں(Solid Lava) میں سوراخ(porce)تھے جن سے ایسے شعلے نکلتے تھے کہ دس میل تک روشن کرتے۔ طوفان آب کے اسباب سے ایک سبب دریا(سمندر) کہ اندر بخارو دخان کا پیدا ہونا ہے[یعنی سطح آب پر جو دھواں اٹھ رہا تھا اور پھر بخارات اور دھواں زمین کے اوپر ظاہر ہوا تو اس کا اصل سبب سمندر کے نیچے سے لاوا اٹھنے کا عمل تھا۔]

امام احمد رضا اس عمل کو کہ لاواOcean trenchesسے باہر آتا ہے اس کی حدّت پانی کو پہنچتی ہے اور وہ پانی کو اوپر اٹھاتا ہے یہاں تک کہ بلند کر دیتا ہے جو کہ مد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ عمل

مسلسل سمندروں کے اندر جاری ہے اور صرف اور صرف ۴ بڑے سمندروں میں یہ Oceanic trenches قطب شمالی سے لے کر قطب جنوب تک تسلسل کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

[There is continuous chain of oceanic trenches in all there ocean almost in the center of oceans at depth of 5-7 miles.]

ان (trenches) سے مسلسل لاوا اوپر آرہا ہے اور یہ Molten material آگ کی صورت میں ان قعر دریا (trenches) سے باہر آتا رہتا ہے اور اس کی حدت مسلسل بیچ و بیچ سمندروں میں اوپر تک پہنچتی ہے جس کے باعث یہ ابھار یا پانی کا اٹھاؤ (مد) بنانے کا سبب بنتا ہے اس لیے بحر الکاہل کے اندر اور پھر اس کے مخالف بحر اوقیانوس میں مسلسل عمل جاری رہتا ہے اور دو دفعہ یہ مد دیکھا جا سکتا ہے اس کا تعلق چاند کی کشش سے نہیں اس حدت کے باعث ہے جو پانی کو مسلسل نیچے آگ سے مل رہی ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا نظریہ قلمبند کرتے ہیں:

ایسے میں بخارات اندر سے آتے اور پانی کو اٹھاتے ہوں یہ مد ہوا (High Tide) جیسے جوش کرنے میں پانی اونچا ہوتا ہے [یعنی جب پانی کو کسی برتن میں جوش دیا جاتا ہے تو حرارت کی وجہ سے وہ حرارت پانی کو اوپر اٹھاتی ہے اور پانی میں ابال (مد) پیدا ہوتا ہے] ان کے منتشر ہونے پر [یعنی جب حدت میں کمی آتی ہے] پانی بیٹھتا ہو یہ جزر ہوا (low tide)۔

امام احمد رضا خان مزید سردی اور گرمیوں میں مد و جزر کی کمی بیشی پر بھی اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جاڑوں میں صبح کا مد زیادہ ہونا بھی اس کا موئد ہے [کہ] سرما [سردیوں کے موسم میں] صبح کو تالابوں سے بکثرت بخارات [Vapours] سطح ارضی پر استیلائے برد [Cold Surface] کے سبب حرارت [heat] باطن کی طرف [Under heat] متوجہ ہوتی [واپس نیچے جاتی] ہے اور رات بھر، اس طویل عمل حرارت سے ادھر بخارات زیادہ اٹھے اُدھر پانی میں زیادہ بلند ہونے کی استعداد آگئی۔

(یعنی سردیوں میں کیونکہ اوپر کی فضا ٹھنڈی ہوتی ہے لہٰذا یہ ٹھنڈک تہہ زمین کی حرارت کو اوپر نہیں جانے دیتی اور یہ حرارت واپس نیچے کی جانب دوڑتی ہے اور جب وہ نیچے کی جانب جاتی ہے تو حرارت

میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے سردیوں میں مد زیادہ بلند ہوتی ہے اور کنویں کا پانی بھی اسی وجہ سے گرم ہوتا ہے کہ اوپر ٹھنڈ کی تہہ نے نیچے کی حرارت کو اوپر نہیں جانے دیا اور نیچے کی حرارت طویل دور کے اس عمل کے باعث پانی کو گرم کرنے میں کامیاب ہوئی۔)

احقر نے امام احمد رضا کے نظریہ مد و جزر کو سمجھانے کی ایک حقیر سی کوشش کی ہے۔ قوسین میں جو بھی عبارت ہے وہ احقر کے الفاظ ہیں۔ امام احمد رضا کی تحریر کو واضح کرنے کے لیے ایک الگ خطِ تحریر استعمال کیا ہے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ سورۃ النور، آیت ۴۰۔

۲۔ The Qur'an, Chapter:24, the Light. Verses: 40

۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۶۴۔

۴۔ آل عمران، آیت ۱۹۱۔

۵۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء۔

۶۔ فیروز اللغات۔ اردو۔

۷۔ The Webster Family Encyclopedia.V.18 p 115.

۸۔ فتاویٰ رضویہ، رسالہ "نزول آیات فرقان، بسکونِ زمین و آسمان" جلد:۹، ص:۱۹۰، مطبوعہ کراچی۔

۹۔ The Webster Family Encyclopeda. Vol.18.p 114.

۱۰۔ reference:moontide.com.

۱۱۔ reference:http://csep10.phys.utk.edu/

۱۲۔ Reference: home.hiwaay.net/Krcool/

۱۳۔ سورۃ الطور، آیت ۶۔

سائنسی نظریات پر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات

رضوی سلیم شہزاد

سرزمین پاک وہند پر تقریباً پر ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ پھر انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے ذریعہ حکمراں بن بیٹھے۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی ترقی وبقا کارازان کے ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی تمام ترتوانائی اسی بنیاد کو کمزور بنانے اور ختم کرنے میں صرف کر دیں۔ دینی مدارس کو بے اثر بنانے کیلئے اسکول اور کالج کھلوے گئے اور وہاں پر تعلیم پانے والے بچوں کے ذہنوں کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا گیا۔ اتحاد ملت کو ختم کرنے کے لئے نئے نئے پیدا ہونے والے خیالات کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ چنانچہ اسی دور میں اس قسم کے مباحث پھیلے کہ:

☆ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبین ہونے میں فرق آئے گا۔ یا نہیں؟ (معاذاللہ)

جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعویٰ ہی کر دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور دیگر محبوبان خدا کی شان میں توہین و تنقیص کی زبان دراز کی گئی۔
نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور متحدہ پاک و ہند میں اتنے فرقے پیدا ہو گئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اتنے فرقے نہیں ملیں گے۔

یہ وہ ماحول تھا جب سرزمین بریلی میں امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور تقریباً چودہ سال کی عمر میں مرجہ علوم دینیہ حاصل کر کے اسلام کی خدمت و حفاظت کی مسند پر فائز ہو گئے۔ انہوں نے ایک ہزار کے لگ بھگ چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے خلاف لب کشائی کرنے والوں پر بھرپور تنقید کی۔ رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام، اہل بیت عظام، ائمہ مجتہدین اور اولیاے کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا شدید محاسبہ کیا۔ قادیان میں انگریزوں کے کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کا شدید رد کیا۔ اس دور میں پائی جانے والی بدعتوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ سلف صالحین کے طریقوں سے نیز مذہب حنفی کے دلائل قاہرہ سے صحیح اسلامی عقائد و نظریات کی حفاظت و حمایت کی۔ غرضیکہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہر محاذ پر قلمی جہاد کیا۔ اور تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کو ۵۴ سے زائد علوم و فنون میں حیرت انگیز مہارت عطا فرمائی تھی۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین، ریاضی کا ایک لاینحل مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ جسے آپ نے اسی وقت حل کر دیا۔ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ: "یہ ہستی صحیح معنوں میں نوبل پرائز کی مستحق ہے۔"[1]

تحقیقات علمیہ میں امام احمد رضا بریلوی کا بلند ترین مقام تو اہل علم کے نزدیک مسلم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعر و ادب میں قادر الکلام اساتذہ کی صف میں شامل تھے۔ جامعۃ الازہر، مصر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ علمی موشگافیاں کرنے والا محقق، نازک خیال ادیب و شاعر بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ انہوں نے اصناف سخن میں سے حمد باری تعالیٰ، نعت رسول اکرم ﷺ اور منقبت اولیا کو منتخب کیا اور قصیدۂ معراجیہ اور مقبولیت عامہ حاصل کرنے والے سلام:

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جیسے ادب پارے پیش کئے۔ فلسفۂ جدیدہ (جدید سائنس) اور فلسفۂ قدیمہ کے غیر اسلامی نظریات پر "الکلمۃ الملھمۃ" اور "فوز مبین" میں سخت تنقید کی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ سائنس کو اسلامی بنانے کیلئے ضروری ہے کہ سائنس کو اسلام کے تابع کیا جائے نہ کہ اسلام کو سائنس کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔[۲]

آیئے الملفوظ کے حوالے سے سائنس پر اعلیٰ حضرت کی وسعت نظر پر چند مثالیں ملاحظہ کی جائیں:

عمدہ پانی:

ایک مرتبہ بریلی شریف کے پانی کی نفاست کا ذکر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ہوا تو اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: "میں نے مدینہ طیبہ سے بہتر پانی کہیں نہ پایا۔ خدام کرام حاضرین بارگاہ کے لئے زور قوں میں پانی بھر کر رکھتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں اس شہر کریم کی ٹھنڈی نسیمیں اتنا سرد کر دیتی ہیں کہ بالکل برف معلوم ہوتا ہے۔ عمدہ پانی کی تین صفتیں ہیں اور وہ تینوں اس میں علیٰ درجہ پر ہیں۔ ایک صفت یہ ہے کہ ہلکا ہو، اور وہ پانی اسقدر ہلکا ہے کہ پیتے وقت حلق میں اس کی ٹھنڈک تو محسوس ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ اگر خنکی نہ ہو تو اس کا اترنا بالکل معلوم نہ ہو۔

دوسری صفت شیرینی، وہ پانی اعلیٰ درجہ کا شیریں ہے۔ ایسا شیریں میں نے کہیں نہ پایا۔ تیسری صفت خنکی، یہ بھی اس میں اعلیٰ درجہ پر ہے۔"[۳]

آج سائنس نے بھی مذکورہ تینوں خوبیاں پائے جانے والے پانی کو عمدہ پانی قرار دیا ہے۔

زمین وآسمان کا فاصلہ:

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں سوال کیا گیا کہ فلک ثوابت کا فصلہ کتنا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: واللہ اعلم۔ سب سے قریب تر ثابتہ جو مانا گیا ہے۔ وہ نوراب انیتس کروڑ میل ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ زمین سے سدرۃ المنتہٰی تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے۔ اس سے آگے مستوی۔ اس کا بُعد (یعنی دوری) اللہ جانے۔ پھر اس کے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں۔ ہر حجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو

(۵۰۰) برس کی راہ کا فاصلہ ہے اور اس سے آگے عرش۔ اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں۔ حدیث میں ہے آسمانوں میں چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتے نے سجدے پیشانی نہ رکھی ہو۔ فرمائیے کس قدر فرشتے ہیں:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر، آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: "اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" [۴]

درج بالا بیان سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ زمین سے عرش کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟ کہ سب سے پہلا فلک ثابتہ (آسمان) نو ارب انیتس کروڑ میل اس کے بعد سدرۃ المنتہٰی، پھر مستوی، پھر ستر ہزار حجابات اور پھر عرش ہے۔ اب آیئے کرسی کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں جسے پڑھ کر ایک مومن کی روح جہاں تڑپ اٹھتی ہے وہیں اعلیٰ حضرت کے وسعت مطالعہ کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے۔

کرسی کی کیا صورت ہے؟

اس ضمن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کرسی کی صورت اہل شرع وحدیث نے کچھ ارشاد فرمائی۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ وہ آٹھواں آسماں ہے، (جو) ساتوں آسمانوں کو محیط ہے۔ تمام کواکب ثابتہ اسی میں ہیں۔ مگر شرع نے یہ نہ فرمایا۔ اسی طرح عرش کو جہلاء فلاسفہ کہتے ہیں کہ نواں آسماں ہے اور اس کو "فلک اطلس" کہتے ہیں کہ اس میں کوئی کوکب نہیں۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام آسمان وزمین کو محیط ہے اور اس میں پائے ہیں یاقوت کے۔ اس وقت تو چار فرشتے اس کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور یہ تو قرآن عظیم سے ثابت ہے۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ "اور اٹھائیں گے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اس دن آٹھ فرشتے۔" اور ان فرشتوں کے پاؤں سے زانو تک پانچ سو (۵۰۰) برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ آیۃ الکرسی کو اسی وجہ سے آیۃ الکرسی کہتے ہیں کہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی کرسی آسمان وزمین کی وسعت رکھتی ہے۔

اسی ضمن میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: آسمان ہی کی وسعت خیال میں نہیں آتی۔ بیچ کا آسمان (چوتھا) جس میں آفتاب ہے اس کا نصف قطر نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ پانچواں اس سے بڑا۔ پانچویں کا ایک چھوٹا پرزہ جسے تدویر کہتے ہیں وہ آفتاب کے آسمان سے (چوتھے آسمان سے) بڑا ہے۔ پھر یہی نسبت پانچویں کو چھٹے کے ساتھ ہے اور اس کو ساتویں کے ساتھ۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ سب کرسی کے سامنے ایسا ہے کہ ایک لق ودق میدان میں جس کا کنارہ نظر نہیں آتا ایک چھلا پڑا ہو۔ اور ان سب عرش وکرسی اور زمین وآسمان کی وسعت ایسی ہی ہے عظمت قلب مبارک سید عالم ﷺ کے سامنے۔ اور قلب مبارک کی عظمت کو کوئی نسبت ہی ہو سکتی، عظمت عزت جل جلالہ سے، یہ غیر متناہی وہ متناہی۔ اور متناہی کو غیر متناہی سے نسبت محال۔ سیدی شریف عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لق ودق میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔ اللہ اکبر! جب غلاموں کی یہ شان ہے تو عظمتِ شان اقدس کو کون خیال کرے؟ ۵

یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک کی وسعت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح ایک لق ودق میدان ہو کہ تاحدِ نظر میدان کے علاوہ چاروں طرف کچھ نہ ہو۔ اور ایسے میدان میں ایک چھلا (انگوٹھی) پڑا ہو تو اس چھلے کی میدان سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عرش، کرسی، زمین، آسمان، ان تمام کی وسعت، حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک کی وسعت کے لئے ایک چھلے (انگوٹھی) کے مانند ہے جو لق ودق میدان میں پڑا ہو۔ اور وسعت قلب سے مراد وسعت علم ونظر ہے۔

آسمان کہاں ہے؟

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور دور بین سے آسمان نظر آتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

ہم اپنی آنکھوں سے تو دیکھ رہے ہیں۔ کیا دور بین لگانے سے اندھا ہو جاتا ہے کہ بغیر دور بین کے دیکھتے ہیں اور دور بین سے سجھائی نہ دے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہم جس کو دیکھ رہے ہیں یہی آسمان ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَہُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰہَا وَزَیَّنّٰہَا وَمَا لَہَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ (سُوْرَۃُ قٓ، آیت نمبر ۶)

ترجمہ: "کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اس کو کیسا بنایا اور ہم نے اس کو کیسی زینت دی۔"

وَزَیَّنّٰہَا لِلنّٰظِرِیْنَ۔ (سُوْرَۃُ الْحِجْر، آیت نمبر ۱۶)

ترجمہ: "اور اس میں کوئی شگاف نہیں اور ہم نے اسے خوبصورت بنایا دیکھنے والوں کے واسطے۔"

وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ۔ (سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃ، آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: "کیا وہ آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا بلند بنایا گیا۔"

فلاسفہ بھی یہی کہتے تھے کہ جو نظر آتا ہے یہ آسمان نہیں۔ آسمان شفاف بے لون ہے (پھر فرمایا) اس سے اکذب (جھوٹا) کون جس کی تکذیب قرآن کرے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ نجات منحصر ہے اس بات پر کہ ایک ایک عقیدہ اہلسنت وجماعت کا ایسا ہو کہ آسمان وزمین ٹل جائیں اور وہ نہ ٹلے پھر اس کے ساتھ ہر وقت خوف لگا ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں جس کو سلب ایمان کا خوف نہ ہو مرتے وقت اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔[۶]

دائرۂ دنیا:

آیئے اب عرف عام میں جسے دنیا کہا جاتا ہے اس کی وسعت کے متعلق جاننے کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں چلیں۔ آپ سے جب دریافت کیا گیا کہ دائرہ دنیا کہاں تک ہے؟ تو آپ نے وہ جواب عنایت فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب نہ ماننے والوں کی عقلیں بھی حیران ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"ساتوں آسمان، ساتوں زمین دنیا ہے اور ان سے ماوراسدرۃ المنتہٰی، عرش وکرسی، دارِ آخرت ہے۔" اس ضمن میں آپ نے مزید فرمایا کہ دارِ دنیا شہادت (ظاہر) ہے اور دارِ اخرت غیب (پوشیدہ) غیب کے کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے، وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ہُوَ "اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی مفاتیح (کنجیاں) ان کو خدا کے سوا کوئی

(ذات خود) نہیں جانتا))۔ اور دوسری جگہ فرمایا، لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ "خدا ہی کیلئے ہیں مقالید (کنجیاں) آسمان وزمین کی"۔ اور مفاتح کا اول حرف میم (م) وحرف آخر (ح) اور مقالید کا اول حرف میم (م) وحروف آخر (د) دال، انہیں مرکب کرنے سے نام اقدس ظاہر ہوتا ہے، (م+ح+م+د= محمد ﷺ) اس سے یاتو اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ غیب وشہادت کی کنجیاں سب دیدی گئی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ کوئی شے ان کے حکم سے باہر نہیں۔

دو جہان کی بہتریاں نہیں کہ امانیِ دل وجاں نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہاں نہیں

اور یا اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے مفاتح ومقالید غیب وشہادت سب حجرۂ خفا یا عدم میں مقفل تھیں۔ وہ مفتاح یا مقلاد جس سے ان قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذاتِ اقدس ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی کہ اگر یہ تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ خفا میں رہتے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہاں کی جان ہے تو جہان ہے

خلا کا واقع ہونا ممکن ہے:

آیئے! دیکھیں کہ خلا کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا فرماتے ہیں؟ واضح رہے کہ سائنسدانوں کے نزدیک زمین کے چاروں طرف ہوا کا غلاف ہے جو قریب (۴۵) پینتالیس کلو میٹر کی بلندی تک ہے اور اس کے بعد غیر متناہی خلا واقع ہے۔ اس تعلق سے جب اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ حضور خلا ممکن ہے تو آپ نے فرمایا:

"خلا بمعنی فضا تو واقع ہے۔ اور خلا بمعنی فضائے خالی عن جمیع الاشیاء موجود تو نہیں لیکن ممکن ہے۔ فلاسفہ جتنی دلیلیں بیان کرتے ہیں جزءِ لایتجزی (کسی بھی شے کا وہ سب سے چھوٹا حصہ جس کی مزید تقسیم محال ہو اسے جزءِ لایتجزی کہیں گے۔) اور خلا وغیرہ کے استحالہ میں وہ سب مردود ہیں۔ کوئی دلیل فلاسفہ کی ایسی نہیں جو ٹوٹ نہ سکے۔ فلاسفہ نے جتنی دلیلیں قائم کی ہیں وہ سب اتصال اجزا کو باطل کرتی ہیں۔ وہ جو

دجز کو باطل نہیں کرتیں۔ اور ترکیب جسم کیلئے اتصال ضروری نہیں۔ دیوارِ جسم مرکب ہے اور اس کے اجزا متصل نہیں۔"^۸^

جوہر کی تعریف:

یہاں ہم سب سے پہلے مشہور سائنسدان جان ڈالٹن کا نظریہ جوہر کے متعلق پیش کرتے ہیں وہ لکھتا ہے:

According to john Daltons theory (1808), an atom is a particle of matter which is small, rigid, spherical and indvisible.

جس کے مطابق کسی بھی مادے کے سب سے چھوٹے، ٹھوس، کروی اور غیر منقسم جز کو جوہر کہتے ہیں۔

اس پس منظر کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ جہاں آپ سے اس شعر:

نقشہ شاہِ مدینہ صاف آتا ہے نظر
جب تصور میں جماتے ہیں سراپا غوث کا

کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کے متعلق "جوہر حسن" کو کتنے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اس کے معنی یہ ہیں کہ جمال غوثیت آئینہ ہے جمال اقدس کا۔ اس میں وہ شبیہ مبارک دکھائی دے گی۔ (پھر فرمایا) امام حسن رضی اللہ عنہ کی شکل مبارک سر سے سینہ تک حضور اقدس ﷺ سے مشابہ تھی۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سینہ سے ناخن پا تک، اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ سر سے پاؤں تک حضور اقدس ﷺ سے مشابہ ہوں گے۔۔۔۔ (پھر فرمایا) اور یہ تو ظاہری شباہت ہے۔ ورنہ فی الحقیقت وہ ذات اقدس تو شبیہ سے منزہ و پاک بنائی گئی ہے کوئی ان کے فضائل میں شریک نہیں۔ امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِه
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

ترجمہ: حضور اپنے تمام فضائل و محاسن میں شرکت سے پاک ہیں۔ لہٰذا "جوہر حسن" آپ میں غیر منقسم ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت نے "جوھر" کی تعریف کیا فرمائی ہے۔ "اہلسنت کی اصطلاح میں جوہر اس جزو کو کہتے ہیں جس کی تقسیم محال ہو۔ یعنی حضور کے حسن میں سے کسی کو حصہ نہیں ملا۔" 9

زمین اور آسمان قیامت میں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ یہ زمین قیامت کے روز دوسری زمین سے بدل دی جائے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

ہاں ان زمین و آسمان کا دوسری زمین و آسمان سے بدلا جانا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سُوْرَۃُ اِبْرٰهِیْم، آیت نمبر ۴۸)

ترجمہ: "جس دن بدل دی جائے گی یہ زمین کے سوا اور آسمان اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ کے سامنے جو سب پر غالب ہے۔" مگر آسمان کیلئے یہ نہیں معلوم کہ وہ آسمان کاہے کا ہو گا۔ ہاں زمین کے بارے میں صحیح حدیث آتی ہے جس میں ہے کہ آفتاب قیامت کے دن سوا میل پر آجائے گا۔ صحابی جو اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ میل سے مراد میل مسافت ہے یہ میل سرمہ (پھر فرمایا) اگر میل مسافت ہی مراد ہے تو بھی کتنا فاصلہ ہے آفتاب چار ہزار برس کے فاصلہ پر ہے اور پھر اس طرف پیٹھ کئے ہے اس روز کہ سوا میل پر ہو گا اور اس طرف منہ کئے ہو گا اس روز کی گرمی کا کیا پوچھنا اسی حدیث میں ہے کہ زمین لوئے کی کر دی جائے گی۔ پھر فرمایا اور جنت میں چاندی کی زمین ۔ ئے گی اور یہ زمین وسعت کیا رکھتی ہے ان تمام انسانوں اور جانوروں کیلئے جو روز ازل سے روز آخر ۔اہوئے ہونگے۔ حدیث میں ہے کہ رحمٰن بڑھائے گا زمین کو جس طرح روئی بڑھائی جاتی ہے۔ اس ۔دی شکل پر ہے اسلئے اس کی گولائی ادھر کی اشیا کو حائل ہے اور اس وقت اسے ہموار کر دی جائے ۔گر ایک دانہ خشخاش کا اس کنارے پر پڑا ہو اس کنارہ زمین سے دکھائی دے گا۔ حدیث میں ہے۔ ۔والا ان سب کو دیکھے گا اور سنانے والا ان سب کو سنائے گا۔

پھر کسی نے اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا کہ یہ صحیح ہے کہ یہ زمین جنت کی شکر بنادی جائے گی اس سوال پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: ''میں نے نہ دیکھا (مطالعہ میں نہ آیا)۔ ہاں یہ تو ہے کہ محشر کے عرصہ میں گرمی شدت کی ہوگی۔ پیاس بہت ہوگی اور دن طویل ہوگا۔ بھوک کی تکلیف بھی ہوگی۔ اس لیے مسلمان کیلئے زمین مثل روٹی کے ہوجائے گی کہ اپنے پاؤں کے نیچے سے توڑے گا اور کھائے گا۔'' ۱۰

یہاں تک تو ہم نے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریات جو سائنس کی ایک اہم شاخ علم فلکیات سے متعلق ہیں۔ اس کا مطالعہ کیا، جن سے مجدد دین وملت نے اسلامی افکار کو واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلامی عقائد و نظریات کے تابع ہے۔ آیئے اب علم نجوم پر اعلیٰ حضرت کی ایک زبردست تحقیق تاریخ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے قبل زمین پر کسی قوم کا وجود تھا:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ مصر کے میناروں کا تذکرہ ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ان (میناروں) کی تعمیر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام سے چودہ ہزار برس پہلے ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی امت پر جس روز عذاب طوفان نازل ہوا ہے پہلی رجب تھی۔ بارش بھی ہورہی تھی اور زمین سے بھی پانی ابل رہا تھا۔ بحکم رب العالمین حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کشتی تیار فرمائی جو ۱۰ رجب کو تیرنے لگی۔ اس کشتی پر اسی آدمی سوار تھے۔ جن میں دو نبی تھے (حضرت آدم حضرت نوح علیہما السلام)۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت رکھ لیا تھا۔ اور اس کے ایک جانب مرد اور دوسری جانب عورتوں کو بٹھایا تھا۔ پانی اس پہاڑ سے جو سب سے بلند تھا ۳۰ ہاتھ اونچا ہوگیا تھا۔ دسویں محرم کو چھ ماہ کے بعد سفینۂ مبارکہ جودی پہاڑ پر ٹھہرا۔ سب لوگ پہاڑ سے اترے اور پہلا شہر جو بسایا اس کا سوق الثمانین نام رکھا۔ یہ بستی جبل نہاوند کے قریب متصل موصل واقع ہے۔ اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد ومینار کے باقی رہ گئی تھیں۔ جنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اس وقت روئے زمین پر سوائے ان کے اور عمارت نہ تھی۔

امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے انہیں عمارتوں کی نسبت منقول ہے۔
ترجمہ: یعنی دونوں عمارتیں اس وقت بنائی گئیں جب ستارۂ نسر نے برج سرطان میں تحویل کی تھی۔ نسر دو ستارے ہیں۔ نسر واقع اور نسر طائر۔ اور جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے نسر واقع مراد ہوتا ہے۔ ان کے دروازے پر گدھ کی تصویر ہے اور اس کے پنجے میں گنگچہ جس سے تاریخ تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔
مطلب یہ کہ جب نسر واقع برج سرطان میں آیا اس وقت یہ عمارت بنی جس کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو چالیس (۱۲۶۴۰) سال ساڑھے آٹھ مہینے ہوتے ہیں کہ ستارہ چونسٹھ برس قمری سات مہینے ستائیس دن میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور اب برج جدی کے سولہویں درجہ طے کرتا ہے اور اب برج جدی کے سولہویں درجہ میں ہے تو جب سے چھ برج ساڑھے پندرہ درجہ سے زائد طے کر گیا تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق سے بھی تقریباً پونے چھ ہزار برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں کہ ان کی آفرینش کو سات ہزار برس سے کچھ زائد ہوئے۔ لاجرم یہ قوم جن کی تعمیر ہے کہ پیدائش آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے ساٹھ ہزار برس زمین پر رہ چکی تھی۔[۱۱]

اللہ اکبر! یہ ہے اعلیٰ حضرت کی علم نجوم، علم تاریخ اور علم ہندسہ پر مضبوط گرفت کی ایک چھوٹی سی مثال۔ مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اپنی مرکتہ الآرا تصنیف "فوز مبین در رد حرکت زمین" میں گیلیلو کے گرنے والے اجسام کے اصول (Law of Falling Bodies) کشش ثقل کے اصول (Law of Gracitation) کا رد کیا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافت (Theory of Relativity) پر گفتگو کی ہے۔ ارشمیدس کے اصول (کہ پانی میں اشیا کے وزن میں ہٹائے ہوئے پانی کے بقدر کمی ہو جاتی ہے) کہ تائید کی ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے مد و جزر کی تفصیلات پر بہت طویل بحث کی ہے۔ دیگر سیاروں پر اجسام کے اوزان میں کمی و بیشی پر تبصرہ کیا ہے۔ Centrifugal (مرکز یز یا دافع عین المرکز) کے اصولوں پر کلام کیا ہے۔ علاوہ ازیں سمندر کی گہرائی، زمین کے قطر، مختلف سیاروں کے اہم فاصلے، مختلف مادوں کی کثافت نسبتی (Relative Densities) ہوا کے دباؤں پر سائنسی دعوے کی تفصیلات اور اعداد و شمار سے نہ صرف واقف نظر آتے ہیں بلکہ اپنے دلائل کے ثبوت میں ان اعداد و شمار کا استعمال بھی کیا ہے۔

زمین ساکن ہے: رد حرکت زمین پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی چند دلیلیں ملاحظہ کیجئے: دلیل (۱) ہر عاقل جانتا ہے کہ حرکت موجب سکونت و حرارت ہے۔ عاقل درکنار ہر جاہل بلکہ ہر مجنوں کی طبعیت غیر شاعرہ اس مسئلہ سے واقف ہے۔ لہٰذا جاڑے میں بدن بشدت کانپنے لگتا ہے کہ حرکت سے حرارت پیدا کرلے، بھیگے ہوئے کپڑوں کو ہلاتے ہیں کہ خشک ہو جائے۔ یہ خود بدیہی ہونے کے علاوہ ہیئت جدیدہ (Modern Astionomy) کو بھی تسلیم۔ بعض وقت آسمان سے کچھ سخت اجسام نہایت سوزون و مشتعل (روشن چمکتے جلتے ہوئے) گرتے ہیں۔ جن کا حدوث (واقع ہونا) بعض کے نزدیک یوں ہے کہ قمر پتھر کے آتشی پہاڑوں سے آتے ہیں کہ شدت اشتعال کے سبب جاذبیت قمر (Attraction) کے قابو سے نکل کر جاذبیت ارض کے دائرے میں آکر گر جاتے ہیں۔ اس پر اعتراض ہوا کہ زمین پر گرنے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں سرد ہو جاتے ہیں۔ یہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنے میں کیوں نہ ٹھنڈے ہو گئے؟ اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ اگر وہ نرے سرد ہیں چلتے یا راہ میں سرد ہو جاتے جب بھی اس تیز حرکت کے سبب آگ ہو جاتے کہ حرکت موجب حرارت اور اس کا افراط باعث اشتعال (Reason of Burning) ہے۔ اب حرکت زمین کی شدت اور اس کے اشتعال وحدت کا اندازہ کیجئے۔ یہ مدار جس کا قطر اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل ہے۔ اور اس کا دورہ ہر سال تقریباً تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ میں ہوتا دیکھ رہے ہیں اگر یہ حرکت، حرکتِ زمین ہوتی یعنی ہر گھنٹے میں اڑسٹھ ہزار (۶۸۰۰۰) میل کہ کوئی تیز سے تیز ریل اس کے ہزارویں حصے کو نہیں پہنچتی، پھر یہ سخت قاہر حرکت، نہ ایک دن، نہ ایک سال، نہ سو برس بلکہ ہزارہا سال سے لگاتار، بے فتور، دائمہ مستمر ہے تو اس عظیم حدت و حرارت (Fury and Heat) کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو زمین کو پہنچی۔ واجب تھا کہ اس کا پانی کب کا خشک ہو گیا ہوتا، اس کو ہوا آگ ہو گئی ہوتی، زمین دہکتا انگار بن جاتی، جس پر کوئی جاندار سانس نہ لے سکتا۔ پاؤں رکھنا بڑی بات ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زمین ٹھنڈی ہے، اس کا مزاج بھی سرد ہے، اس کا پانی اسے زیادہ خنک ہے، اس کو ہوا خوشگوار ہے۔ تو واجب کہ یہ حرکت اسکی نہ ہو، بلکہ اس آگ کے پہاڑ کی جسے آفتاب کہتے ہیں۔ جسے اس

حرکت کی بدولت آگ ہو نا ہی تھا۔ یہی واضح دلیل حرکت یومیہ شمس سے طلوع اور غروب کواکب ہے زمین کی طرف نسبت کرنے سے مانع (Preverter) ہے کہ اس میں زمین ہر گھنٹے میں ہزار میل سے زیادہ گھومے گی۔ یہ سخت دورہ کیا کم ہے؟ اگر کہئے یہی استحالہ قمر میں ہے(استحال بمعنی شکل وصورت اور خاصیت میں تبدیلی) کہ اگرچہ اس کا مدار چھوٹا ہے مگر مدت بارہویں حصے سے کم ہے کہ ایک گھنٹے میں تقریباً سوادوہزار (۲۲۵۰) میل چلتا ہے۔ اس شدید صریح (واضح) حرکت نے اسے کیوں نہ گرم کیا۔

اقول(میں کہتا ہوں): یہ بھی ہیئت جدیدہ (Modern Astronomy) پر وارد ہے۔ جس میں آسمان نہ مانے گئے۔ فضائے خالی میں جنبش ہے تو ضرور چاند کا آگ اور چاندنی کا سخت دھوپ سا گرم ہو جاتا تھا لیکن ہمارے نزدیک: وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ ترجمہ: اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔

ممکن ہے فلک قمر یا اس کا وہ حصہ جتنے میں قمر شناوری کرتا ہے خالق حکیم عزجلالہ نے اسے سرد بنایا ہو کہ اس حرارت حرکت (Movement Heat) کی تعدیل کرتا اور قمر کو گرم نہ ہونے دیتا ہو (جیسا کہ جدید ترین تحقیق کے ذریعہ ناسا اور دوسری خلائی ریسرچ ایجنسیوں نے واضح کیا ہے کہ چاند پر پانی تو موجود ہے لیکن انتہائی سوکھے ہوئے برف کی شکل میں ہے) جس طرح آفتاب کیلئے حدیث میں ہے کہ اس روزانہ برف سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے ورنہ جس چیز پر گزرتا جلا دیتا (رواہ الطبرانی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ۱۲

درج بالا مثال سے واضح ہوا کہ سورج متحرک ہے اور زمین ساکن ہے۔ آج اعلیٰ حضرت کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت خود سائنس نے ہمیں فراہم کر دیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے سکون شمس کا مدلل رد فرمایا ہے اور سائنس کو اعتراف ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے بلکہ گردش میں ہے اور اور امین ساکن ہے۔ سورج اپنے محور پر ایک چکر پچیس دن میں پورا کرتا ہے اور اپنے مدار (Orbit) میں ڈیڑھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اب یہ بتایا ہے کہ سورج ایک مخصوص سمت میں بہا چلا جا رہا ہے۔ آج سائنس اس مقام کا محل وقوع بھی بتاتی ہے اور جہاں تک سورج جا کر ختم ہو گا اسے Solar apex کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی طرف سورج بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے بہہ رہا ہے۔ ۱۳

آیئے! اب اس ضمن میں قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے سائنسی دلائل پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی عظمت وحقانیت کو خراج عقیدت پیش کریں سورۃ یٰسین شریف کی اٹھائیسویں آیت ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور سورج چلتا ہے اپنی ایک ٹھہراؤ کیلئے۔ یہ حکم ہے زبردست علم والے کا"

دلیل (۲) بھاری پتھر اوپر پھینکیں سیدھا وہیں گرتا ہے۔ اگر زمین مشرق کو متحرک ہوتی تو مغرب میں گرتا کہ جتنی دیر وہ اوپر گیا اور آیا اس میں زمین کی وہ جگہ جہاں پر پتھر پھینکا تھا حرکت زمین کے سبب کنارہ، مشرق کو ہٹا گئی۔ اقول، زمین کی محوری چال ۵۰۶ء۴ گز پر سیکنڈ ہے اگر پتھر کے جانے آنے میں پانچ سیکنڈ صرف ہوں تو وہ جگہ دو ہزار پانچ سو بتیس گز سرک گئی۔ پتھر تقریباً ڈیڑھ میل مغرب کو گرنا چاہئے حالانکہ وہیں آتا ہے۔ ۱۴

دلیل (۳) پانی سے بھی کہیں لطیف تر ہے تو (اگر زمین حرکت کر رہی ہوتی تو) پانی کے اجزا میں تلاطم واضطراب سخت ہوتا اور سمندر میں ہر وقت طوفان رہتا۔

دلیل (۴) **اقول**، پھر ہوا کی لطافت کا کیا کہنا۔ واجب تھا کہ آٹھ پہر غرب سے مشرق تک تحت سے فوق تک ہوا کی ٹکڑیاں باہم ٹکراتیں، ایک دوسرے سے تمانچیں کھاتیں اور ہر وقت سخت اندھی لاتیں۔ لیکن ایسا نہیں تو بلاشبہ زمین کی حرکت محوری باطل اوراس کا ثبوت وسکون ثابت و محکم۔ اللہ الحمد وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ آمین! ۱۵

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے حرکت زمین کے رد میں ایک سو پانچ دلیلیں دی ہیں۔ جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں اور جن کی اعلیٰ حضرت نے اصلاح وتصحیح کی ہے اور پوری نوے دلیلیں نہایت روشن وکامل بفضلہ تعالیٰ آپ کی خاص ایجاد ہیں۔ سائنس دانوں نے صرف اتنا ہی نہیں کہ زمین کو محو گردش ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ انہوں نے تو صاف طور سے آسمان کے وجود کا بھی انکار کیا ہے۔ بظاہر اس سادہ بیان انکار میں عوام کو تو کوئی خرابی نظر نہیں آئی ہوگی۔ لیکن اگر ذرا سا غور وفکر کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ سائنس دانوں کا یہ نظریہ مذہب اسلام کی بنیاد پر ایک کاری ضرب ہے۔ کیونکہ جب آسمان

کوئی چیز ہی نہیں تو توریت، انجیل، زبور قرآن اور دیگر صحائف انبیاء کا آسمان سے نازل ہونا بھی ثابت نہیں ہوگا اور قرآن مجید آسمانی کتاب نہیں مانا جائے گا، مذہب اسلام آسمانی مذہب نہیں مانا جائے گا (معاذاللہ تعالیٰ)۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ سائنس کے اس باطل نظریے کی بھی بیخ کنی کر دی جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا جیسے عاشق صادق اور مجدد دین وملت نے اس فرض کو پورا کیا۔ اور فلاسفۂ یورپ کی اس مصنوعی تحقیق کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ نہ صرف یہ کہ سائنسی دلائل سے ان باطل نظریات کی دھجیاں بکھیر دیں بلکہ مسلمانوں کے اطمینان کیلئے قرآنی آیات واحادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ آسمان کا وجود قطعی طور پر ہے۔ اور زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں اور سورج اور چاند گردش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

☆ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ (سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن، آیت نمبر ۵)

ترجمہ: "سورج اور چاند حساب سے ہیں"

☆ اور فرماتات ہے، ترجمہ: اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے ہر ایک ایک مقررہ معیاد تک چلتا ہے۔ اور حق ثابت ہو گیا اور باطل مٹ گیا۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ ایک ہندوپاک کے درجنوں ادارے امام احمد رضا کی تصانیف اور ان کی دینی وملی خدمات پر لکھی جانے والی کتابوں کی اشاعت میں مصروف ہیں، دوسری طرف پٹنہ، میسور، علی گڑھ، کراچی، سندھ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں محی الدین غزنوی یونیورسٹی آزاد کشمیر میں "امام احمد رضا چیئر" قائم کی گئی ہے۔ اسی طرح افریقا، یورپ، لندن، امریکہ اور شکاگو وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں بھی کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ غرض یہ کہ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کا تعارف بین الاقوامی سطح پر ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب علمی دنیا ان کے صحیح مقام سے روشناس ہو جائے گی۔ ۱۲؎

ماخذومراجع

(۱) محمد عبدالحکیم قادری، علامہ، مقالات رضویہ، ص۳۶، مطبوعہ لاہور۔

(۲) ایضاً، ص۳۷۔

(۳) محمد مصطفےٰ رضانوری، علامہ، الملفوظ اول، ص۳۳، مطبوعہ قادری کتاب گھر بریلی شریف۔

(۴) ایضاً، چہارم، ص۱۵۔

(۵) ایضاً، چہارم، ص۶۳۔

(۶) ایضاً، چہارم، ص۵۴۔

(۷) ایضاً، چہارم، ص۶۳۔

(۸) ایضاً، چہارم، ص۱۵۔

(۹) ایضاً، سوم، ص۴۲۔

(۱۰) ایضاً، چہارم، ص۷۵۔

(۱۱) ایضاً، اول، ص۷۳۔

(۱۲) احمد رضابریلوی، امام، فوز مبین دررِدِّ حرکت زمین، ص۱۴۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۱۳) اعترافات رضا، ص۱۰۔

(۱۴) احمد رضابریلوی، امام، فوز مبین دررِدِّ حرکت زمین، ص۱۵۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۱۵) ایضا، ص۱۵۲۔

(۱۶) محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، مقالات رضویہ، ص۳۹، مطبوعہ لاہور۔

فوز مبّین در ردِّ حرکت زمین میں ریاضیاتی دلائل کا مختصر جائزہ

پروفیسر محمد ابرار حسین
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی معرکۃ الآراء تصنیف "فوز مبین دررڈِ حرکت زمین" کے تقریباً ۹۷ صفحات ۱۹۲۰ء مین قسط وار ماہنامہ "الرضا" (بریلی) میں شائع ہوئے۔ تقریباً ساٹھ سال تک فاضل بریلوی کا یہ عظیم علمی، سائنسی اور تحقیقی کارنامہ گوشہ گمنامی میں پڑا رہا۔ پروفیسر محمد ڈاکٹر مسعود احمد اور جناب ریاست علی قادری اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے ۱۹۸۳ میں "فوز مبین" کا مقدمہ شائع ہوا۔ جناب عبد النعیم عزیزی نے فصل دوم کے کچھ حصوں تک قسط وار ماہنامہ "سنی دنیا" (بریلی) میں شائع کیا۔ حضور علامہ اختر رضا خان ازہری اور جناب عبد النعیم عزیزی کی انتھک کاوشوں اور قلمی نسخے کے تبییض اور تصحیح کے دشوار گزار عمل کے بعد "فوز مبین" کتابی شکل میں "سنی دنیا" بریلی شریف سے شائع ہو چکی ہے۔ جناب عزیزی نے ایک سیر حاصل اور انتہائی مفید مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور آخر میں فرہنگ اصطلحات بھی دی ہے۔

فوز مبین میں حرکت زمین کا بطلان ۱۰۵ دلائل سے کیا گیا ہے۔ ان دلائل کی موثریت کا فیصلہ شخصی عمل ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فاضل بریلوی نے اپنے دلائل میں ہئیت، علوم ریاضی، جغرافیہ، منطق، فلسفہ اور کئی دیگر علوم کا احاطہ کیا ہے اور اس دَور میں مروجہ سائنس نظریات اور قدیم نظریات دونوں کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ بقول جناب عزیزی صاحب:

"امام کے تعقب اور رد کی یہ خوبی ہے کہ وہ مخالف کے حملہ کا جواب اسی ہتھیار سے دیتے ہیں، جس ہتھیار سے وہ حملہ کرتا ہے، مخالف اپنے دعوے کے ثبوت میں جس علم و فن کی کتب سے دلائل پیش کرتا ہے امام اسی علم و فن کی کتب سے اس کا رد فرماتے ہیں"۔

فصل دوم کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"اہل ہیئیات جدیدہ کی ساری مہارت ریاضی وہندسہ وہیئیات میں منہمک ہے عقلیات میں ان کی بضاعت قاصر یا قریب صفر ہے، وہ نہ طریق استدلال جانتے ہیں نہ آدابِ بحث۔ کسی بڑے مانے ہوئے کی بے دلیل باتوں کو اصول موضوعہ ٹھہرا کر ان پر بے سروپا تفریعات کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ وثوق گویا وہ آنکھوں سے دیکھی ہیں بلکہ مشاہدہ میں غلطی پڑسکتی ہے ان میں نہیں۔ ان کے خلاف دلائل قاہرہ ہوں تو سننا نہیں چاہتے۔ سنیں تو سمجھنا نہیں چاہتے، سمجھیں تو ماننا نہیں چاہتے۔ دل میں مان بھی جائیں تو اس لکیر سے پھرنا نہیں چاہتے۔"

اس اقتباس سے اعلیٰحضرت کے طریقہ استدلال میں علوم ریاضی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فوز مبین" میں استعمال کیے جانے والے علوم ریاضی کا ایک مختصر جائزہ لیا جائے، یہاں دو امور کی وضاحت ضروری ہے۔ امام احمد رضا خان نے ریاضی اور دیگر علوم جدیدہ کی تعلیم کسی مغربی ادارے سے حاصل نہیں کی۔ ان علوم میں آپ نے خدمت دین کے لئے مہارت حاصل کی۔ اس کی مثالیں "فتاویٰ رضویہ"، "الدولۃ المکیہ" اور دیگر تصانیف میں بکثرت ملتی ہیں۔ یہاں اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ اعلیٰحضرت کے دور میں ریاضی نے وہ ترقی نہیں کی تھی جو گذشتہ نصف صدی میں ہوئی اور نہ ہی اس کی ترقی کی رفتار وہ تھی جو آج ہے۔ ریاضی کے کئی موجودہ شعبے ابھی وجود میں نہیں آئے تھے۔ ہئیات اور دیگر

شعبہ ہائے طبیعات میں ہندسہ، علم المثلث مستوی و کروی ہی مستعمل تھے۔ "فوز مبین" میں استعمال ہونے والے علوم ریاضی کا آج کل کی ریاضی سے نہیں بلکہ اس دور کی ریاضی سے موازنہ کرتا ہے۔

نفس مضمون کی مناسبت سے فوز مبین میں علم الہندسہ، علم المثلث مستوی اور علم المثلث کروی کا استعمال کثرت سے کیے گئے ہیں۔ اور فصل سوم میں ان نتائج کو زمین کی حرکت رد کرنے کے دلائل میں استعمال کیا گیا ہے۔ اعلیحضرت نے ماہرین ہیئیات جدیدہ کے غلط استدلال کی نشاندہی کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱)۔ مثلث مستوی پر مبنی اصولوں کی مثلث کروی پر استعمال کی جائے۔

(۲)۔ دائرہ عظیمہ کے خواص کو کرہ پر واقع ہر دائرے کے لئے جائز سمجھا جائے

(۳)۔ "چھوٹی قوس اور اس کے وتر مین فرق کم ہوتا ہے۔" اس کا اطلاق بلا تمیز کسی بھی قوس پر کر دیا جائے۔

چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

"مدار زمین تو بیضی مانتے ہو۔ دائرۃ البروج دائرہ کیسے ہوا۔ اور مجاز کا دامن تھامنا کام نہیں دے گا کہ میل و عرض ہما کے موامرات علم مثلث کروی پر مبنی اور دوا تامہ ہی میں جاری" ص ۵۷۔

"اب اس سے تین نتیجے بدیہی طور پر لازم (ا) یہ دونوں دائرے متساوی ہیں، (ب) دونوں مرکز واحد پر، (ج) دونوں ایک کرُے کے دائرہ عظیمہ ہیں۔۔۔ بالجملہ یہ تینوں نتیجے متفق علیہ ہیں خود جملہ کرّات ارضی و سماوی کہ اب تک ہیئیات جدیدہ میں بنتے ہیں ان کی صحت پر شاہد۔ فوائد (ا) سطح مستوی میں کبھی دو ۲ دائرے تناصف نہیں کر سکتے کہ اس کے لیے اتحاد مرکز لازم اور وہ اس کے متقاطع دائروں میں محال (اقلیدس مقالہ ۳ شکل ۵)

(ب)۔ دائرۃ البروج کی تعریف کہ "حدائق" میں کی باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔

(ج)۔ اصول ہیئت کی تعریف اس سے باطل تر کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔

(ء)۔ جب ان کے مرکز مختلف تو دونوں عظیمے کیسے ہوسکتے ہیں کہ عظیمہ کا مرکزِ نفس مرکز کرہ ناہونالازم۔۔۔۔"ص۷۶۔۷۷

"تمام عقلائے عالم اور ہیئیات جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل ومنطقہ دونوں کرّے سماوی حقیقی یا مقدر کے دائرہ عظیمہ ہیں۔(۲۷،۲۸،۲۹،۳۰)جتنے سماوی وارضی کرّے ہئیات قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں۔سب اس پر شاہد ہیں لیکن دورہ زمین پر یہ بوجوہ ناممکن کہ نہ تساوی،نہ اتحاد مرکز،نہ تناصف تو دورہ زمین قطعی باطل۔"ص۱۳۵

"عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل ومنطقہ دائرہ شخصیہ ہے۔(نمبر۳۱) جتنے سماوی وارضی کرّے ہئیت قدیمہ وجدیدہ مین بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن زمین دائر ہو توان میں کوئی شخصی نہ رہے گا۔(دیکھو۳۱،۳۲) توزمین کا دورہ باطل"۔ص۱۳۵۔

"تمام عقلائے عالم ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ بارہ برج متساوی ہیں ہر برج تیس درجے (نمبر۲۹)۔ جتنے سماوی کرّے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن منطقہ کو مدار زمین مان کر چھ برج ۴۰۔۴۰ درجے کے ہو جائیں گے۔اور چھ صرف ۲۰۔۲۰ کے رہیں گے"۔ص۱۳۵

"تمام عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ مبادرت اعتدالین ایک بہت خفیف حرکت ہے کہ ایک سال کامل میں پورا ایک دقیقہ بھی نہیں۔۵۰،۶ ہے(نمبر ۳۲) پچیس ہزار آٹھ سو سترہ برس میں دورہ پورا ہوتا ہے(نمبر ۳۲)لیکن اگر زمین منطقہ پر دائر ہے تو واجب کہ دورہ ہر سال پورا ہوجایا کرے۔تقاطع کا نقطہ ہر سہ ماہی میں تین برج طے کر لیا کرے۔وہ حرکت کہ اکہتر برس میں بھی ایک درجہ نہیں چل سکتی ہر روز ایک درجہ اڑے"۔ص۱۳۶

"تمام عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ اس مدار پر دورہ کرنے والا (شمس ہو یا زمین) سال بھی میں تمام بروج میں ہو آتا ہے۔لیکن اگر یہ مدار زمین کا ہے تو ایک برج کیا ایک درجہ کیا ایک دقیق چلنا محال"۔ص۱۳۷

"فوز مبین" میں الجبرا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ص ۱۱۵ پر فرمایا" نے اصول علم الہیئات نمبر ۳۲۲ میں قطر زمین کا ۳،۹۶ کہا۔ اگرچہ ہمارے حساب سے ۱،۳ ہے"۔ یہاں مذکورہ کتاب کے دو متضاد بیانات پر مبنی "۲، ۲" مساوات حاصل کی گئیں جن سے حاصل شدہ نتائج ایک دوسرے بہت مختلف تھے۔

عملی تحسیب کے ذریعہ اعلیحضرت نے کئی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اس عمل میں جہاں ممکن ہوا لوگارثم کا استعمال کیا گیا ہے۔

صفحہ ۷۰ پر نیوٹن کے اس قول کی رد میں کہ "اگر زمین کو اتنا پایا جائے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی" یہ تنبیہ لطیف دی" اہل انصاف دیکھیں سردار ہیئات جدیدہ نیوٹن نے کیسی صریح خارج از عقل بات کہی۔ کرہ زمین اگر دب کر ایک انچ مکعب رہ جائے تو اولاً یہ سارا کرہ کہ کھربوں میل میں پھیلا ہوا ہے صرف ایک لاکھ دس ہزار پانچ سو بانوے ذروں کا مجموعہ ہو ہر ذرہ بال کی نوک کے برابر ذرے۔۔۔۔ جب کرہ زمین ایک انچ ہوتا تو اس کا قطر سوا انچ ہوتا۔۔۔۔ جس میں بال کی نوک کے برابر ذرے ساٹھ سمجھئے، بس یہ کائنات قطر زمین کی ہوتی۔ ثانیاً جب قطر میں ساٹھ ہی ذرے ہوئے۔۔۔۔ تو سب اس سمٹنے کے بعد پھیل کر حالت موجودہ پر آتی ہر ذرہ دوسرے سے ۱۳۲ میل کے فاصلے پر ہوتا اور زمین محسوس ہی نہ ہو سکتی۔"

صفحہ ۹۶ پر زمین اور آفتاب کی جسامت کے بارے میں فرمایا۔ "ہیئات جدیدہ میں آفتاب ۱۲۳۵۱۳۰ زمینوں کے برابر بعض نے دس لاکھ بعض نے چودہ لاکھ دس ہزار لکھا اور ہم نے مقررات جدیدہ پر بنائے اصل کروی حساب کیا تو ۱۳۱۳۲۵۶ زمینوں کے برابر آیا۔"

مدوجزر کے سلسلہ میں صفحہ ۱۰۳ پر حساب لگا کر یہ نتیجہ نکالا:

"یعنی شمس اگر قمر کو اپنی طرف ایک میل کھینچتا ہے تو زمین اپنی طرف پانچ ہزار میل اور تقریر رد پنجم شامل کیے سے تو جذب زمین کے مقابل جذب شمس گویا صفر محض رہ جائے گا اور زمین کا جذب المعارض مزاحم کام فرمائے گا اور شک نہیں کہ یہ جذب ہزاروں برس سے جاری ہے اور وہ کیا ہے کہ قمر ابھی تک زمین پر گر نہ پڑا۔ اگر جاذبیت صحیح ہوتی ضرور کب کا گر چکا ہوتا۔ تو جاذبیت محض مہمل خیال ہے۔"

"فوز مبین" میں جدید ریاضی سے آہنگ تصورات بھی پائے جاتے ہیں۔ صفحہ ۱۴۲ پر دلیل ۸۰ کے تحت دس "مقدمات نافعہ" بیان فرمائے، ان میں سے چند یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱)۔ دو شئ میں اضافی، متقابل، متضاد نسبتیں کہ شئ واحد میں دوسری کے لحاظ سے باعتبار واحد جمع نہ ہو سکیں دو ۲ قسمیں ہیں۔

اوّل اعتباری محض جس کے لیے کوئی منشاواقع میں متعین نہیں لحاظ واعتبار سے تعین ہوتا ہے تو ہر شئ اسی دوسرے کے اعتبار سے ان دونوں ضدوں سے متصف ہو سکتی ہے۔

دوم واقعی جس کے لیے نفس الامر میں منشاء متعین یہاں دو شے میں ایک کے لئے ایک ضد متعین ہو گی۔ دوسری کے لئے دوسری، ہم کسی دوسرے لحاظ سے ان میں تبدیلی نہیں کر سکتے کہ ان کے منشاء ہمارے لحاظ کا تابع نہیں۔ جیسے تقدیم و تاخر زمانی"۔

(۲) ان واقعات میں شئ واحد کو دو کے لحاظ سے دونوں ضدیں عارض ہو سکتی ہیں۔ یہ تغیر نسبت نہ ہوا، بلکہ تغیر نسبتین مگر ایک ہی شئ کے لحاظ سے ممکن نہیں کہ تغیر نسبت ہے۔

(۳) ان واقعی نسبتوں میں بعض وہ ہیں کہ شئ کو بالعرض بھی عارض ہوتی ہے۔ اگرچہ بالعرض میں بنظر ذات ایک ہی شئ کے اعتبار سے دونوں ضدوں کی قابلیت ہوتی ہے مگر یہ اس میں بھی محال ہے کہ وقت واحد میں دو اعتبار مختلف سے دونوں ضدیں مان سکیں ورنہ نسبت اعتباریہ۔۔۔

(۴) فوق و تحت ان ہی نسبت واقعیہ سے ہیں۔۔۔۔

(۵) جب یہ نسبت واقعیہ ہے تو اس کے لیے نفس الامر میں ضرور کوئی منشاء متعین ہے جو کسی کے لحاظ اعتبار کا تابع نہیں۔

(۶) نسبت متقابلہ واقعیہ میں کبھی دونوں جانب تحدید یعنی حدبندی ہوتی ہے۔ کبھی صرف ایک تحدید ہوتی ہے۔ دوسری جانب اس کے مقابلے پر غیر محدود مرسل رہتی ہے، جیسے کسی شئ سے اتصال وانفصال۔ اتصال محدود ہے اس میں کمی وبیشی کی راہ محدود مگر انفصال کے لیے کوئی حد نہیں۔ جتنا بھی فاصلہ

ہو گا انفصال ہی رہے گا۔ ہاں نسبت اعتباریہ میں کسی طرف تحدید ضروری نہیں کہ تابع اعتبار ہیں فوق و تحت نسبت واقعیہ سے ہیں تو ضرور ان میں تو ایک جانب تحدید ضرور ہے ورنہ اعتبار محض رہ جائیں گے۔

ان مقدمات میں جدید Real Analysis کے کچھ تصورات کی آسانی سے شناخت کی جاسکتی ہے۔ مثلاً Direction, Partial Ordering linary relation, limit, linear ordering صفحہ ۱۴۵ پر مسئلہ بیان کیا "دو نا متناہی کہ ایک مبدا سے شروع ہوں اور امتداد میں کم و بیش نہیں ہو سکتے۔ ورنہ جو کم رہا متناہی ہو گیا۔"

Cotntable Set لا متناہی ہوتے ہیں ان کے عناصر کی تعداد مساوی ہونے کا تصور مبہم ہے لیکن ان میں (۱-۱) مطابقت ہو سکتی ہے۔

فوز مبین میں نظریہ احتمال اور شماریات کی جھلک بھی نظر آئی ہے۔

مقدمہ میں نمبر ۵ میں نظریہ احتمال کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

"واقعیات کا کام فرضیات سے نہیں چلتا۔ مدعی کا مطلب "شاید" اور "ممکن" سے نہیں نکلتا۔ یہ لوگ طریقہ استدلال سے محض نابلد ہیں۔ اگر کوئی شئے مشاہدہ یا دلیل سے ثابت ہو اور اس کے لیے ایک سبب متعین مگر اس میں کچھ اشکال ہیں جو چند طریقوں سے دفع ہو سکے ہیں اور ان میں کوئی طریقہ معلوم (الوقوع) نہیں وہاں احتمال کی گنجائش ہے"۔ ص ۳۵

شماریات میں Assosiation کا تصور بہت اہمیت رکھتا ہے اگر دو متغیرات میں Assosiation موجود ہے تو اس حقیقت سے ایک متغیر کو دوسرے کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی امر کا اظہار صفحہ ۵۷ پر اس طرح کیا:

"دوران یعنی وجود و عدم میں دو شئے کی معیت ایک کے لیے دوسری کی علیت پر دلیل نہیں۔"

اس مختصر جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا خان نے علوم ریاضی کو زمین کی حرکت رد کرنے میں کس موثر طریقہ سے استعمال کیا، اور یہ وہی کر سکتا ہے جسے ان علوم پر عبور حاصل ہو۔ فوز مبین کا مطالعہ اہل علم کو دعوت فکر دیتا ہے اعلیٰ حضرت کا یہ عظیم علمی اور سائنس کارنامہ ہمارے ماہرین سائنس اور ریاضی کی توجہ چاہتا ہے یقیناً انہیں اس میں تحقیق کے لیے کئی موضوعات ملیں گے۔

EMBRYOLOGY

(Refutation of a Christian Priest Physician's Claim)

By:

A'la Hadrat

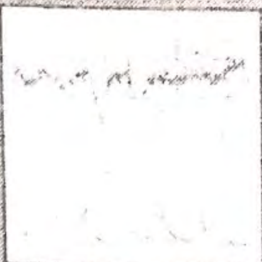
Imam Ahmad Rida Khan (Breilvi)

(Rahmatullahi Alaih)

Translated by:

Khursheed Ahmed Saeedi

(M.A. Comparative Religious & M.A. Arabic)





(Ultrasound Machine)



One Hundred & Twelve Years Ago Vision of Imam Ahmad Raza About Modern Science of Embryology in (1896 AD/1315 AH)

IDARA-E-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMAD RAZA INTERNATIONAL

امام احمد رضا اور طب و حکمت

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
بریلی، انڈیا۔

عصر حاضر میں طبّ و حکمت تیزی سے مائل بہ زوال ہے۔ اطبا و حکما خال خال ہی نظر آتے ہیں اور عالم یہ ہے کہ طبی کالجوں میں بھی ایلوپیتھک یا انگریزی طریقۂ علاج نے اپنا عمل دخل بنالیا ہے۔ ان طبی کالجوں کے فارغین خود کو حکیم کہنے میں ہتک محسوس کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب طبّ و حکمت کی دھوم تھی۔ طبابت کا پیشہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا تھا اور اطبا یا حکما اس پیشے کو خدمت خلق کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور اس پیشے کو اختیار کرنے کا ان کا مقصد محض دولت کا حصول نہیں تھا۔ علمائے کرام میں بھی اکثر طبیب ہوا کرتے تھے اور علم دین کے ساتھ ساتھ وہ طب و حکمت کا فن بھی حاصل کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا تعلق طب سے رہا ہے؟ ان کی سوانح سے یہ تو صاف ظاہر ہے کہ نہ تو انہوں نے طب و حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی انہوں نے اپنے علوم وفنون میں اس کا کہیں تذکرہ کیا ہے۔ البتہ ان کی تصانیف اور مکاتیب کے مطالعے سے اس فن میں ان کی وسیع طبی معلومات کا پتا ضرور چلتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے طبابت کی مشکلات اور اس کی باریکیوں، طبیب کے فرائض، امراض کی تشخیص اور مریضوں کی نفسیات سے متعلق انہیں جو ہدایات فرمائی ہیں، ان سے طبّ و حکمت کے فن میں آپ کی وسعتِ معلومات بلکہ ایک طرح سے اس فن میں بھی آپ کی مہارت کا پتا چلتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''جانِ برادر! مشکل ترین امور ہنگام استخراج احکام جزئیہ ہیں جیسے فقہ وطب۔ جس طرح فقہ میں صدہا حوادثات ایسے پیش آتے ہیں جن کا جزئیہ کتب میں نہیں اور ان پر حکم لگانا ایک سخت دشوار گزار پہاڑ کا عبور کرنا ہے، جس میں بڑے بڑے ٹھوکریں کھاتے ہیں؛ بعینہ یہی حال طب کا ہے بلکہ اس سے بھی نازک تر، بالکل بے دیکھی چیزوں پر حکم کرنا ہے، پھر اگر آدمی قابلیت نامہ نہیں رکھتا اور برائے خود کچھ کر بیٹھا اگر چہ اتفاق سے ٹھیک ہی اُترا گنہگار ہوگا۔ جس طرح تفسیر قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا: من قال فی القرآن برائه فاصاب فقد اخطاء۔ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے اور ٹھیک ہی کہے جب بھی خطا ہے۔ یوں ہی حدیث شریف میں فرمایا: جو علاج کرنے بیٹھا اور اس کا طبیب نہ ہونا معلوم ہوا اس پر تاوان ہے یعنی اس کے علاج سے کوئی بگڑ جائے گا تو اس کا خون بہا اس کی گردن پر ہوگا اگر چہ تمہارے استاد شفیق نے تمہیں مجاز و ماذون کر دیا مگر میری رائے میں تم ہر گز ہر گز ہنوز مستقل تنہا گوارا نہ کرو اور جب تک ممکن ہو مطب استاذ کا دیکھتے اور اصلاح لیتے رہو۔ میں نہیں کہتا کہ جداگانہ معالجہ کے لیے نہ بیٹھو مگر اپنی رائے کو ہر گز رائے نہ سمجھو اور ذرا سی بات میں بھی اساتذہ سے استعانت لو۔

۲۔ رائے لینے میں کسی چھوٹے بڑے سے عار نہ کرو۔ کوئی عالم کامل نہیں ہوتا جب تک آدمی بعد فراغ درس اپنے آپ کو جاہل نہ جانے۔ جس دن اپنے آپ کو عالم مستقل جانا اسی دن اس سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں!

۳۔ کبھی محض تجربے پر بے تشخیص حادثہ خاصہ پر اعتماد نہ کرو۔ اختلافِ فصل، اختلافِ بلا، اختلافِ عمر، اختلافِ مزاج وغیرہا بہت باتوں سے علاج مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک نسخہ ایک مریض کے لیے ایک

فصل میں صد بابار مجرب ہو چکا، کچھ ضروری نہیں کہ دوسری فصل میں بھی کام دے بلکہ ممکن ہے کہ ضرر پہنچائے، وعلی ھٰذا اختلاف البلاد والاعمار والامزجہ وغیرھا۔

۴۔ مرض کبھی مرکب ہوتا ہے ممکن کہ ایک نسخہ ایک مرض کے لیے تم نے فصول مختلفہ بلادِ متعددہ و اعمار متفاوتہ و امزجۂ متباینہ میں تجربہ کیا اور ہمیشہ ٹھیک اترا مگر وہ مرض ساذج تھا یا کسی ایسے مریض کے ساتھ جسے یہ مضر نہ تھا۔ اب جس شخص کو دیر سے ہو اس میں ایسے مرض سے مرکب ہو جس کے خلاف تو ضرر دے گا اور وہ تجربہ صد سالہ لغو ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت آگے مزید سات نکات اور بیان کرتے ہیں: بخوف طوالت ملخصاً پیش کیے جا رہے ہیں، لکھتے ہیں:

۵۔ نبض، قارورہ وغیرہ تمام طرق تشخیص کو عمل میں لاؤ اور ہر وقت اپنے علم و فہم و حول و قوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرو کہ القائے حق فرمائے۔ یہی جالب شفا ہوتے ہیں۔

۶۔ ہلکے سے ہلکے مرض کو آسان سمجھ کر تشخیص و معالجہ میں سہل انگاری نہ کرو۔۔۔

۷۔ صرف مریض یا اس کے تیمار دار کے بتائے ہوئے حال پر قناعت نہ کرو اور بے تشخیص مرض کا فیصلہ نہ کرو۔

۸۔ دوا کی تمام تراکیب، طریقہ اصلاح و استعمال خوب سمجھا کر ہر مریض سے بیان کرو۔

۹۔ طبیب پر اہم واجبات سے ہے کہ نیک خلق ہو، شیریں زبان، متواضع اور حکیم مہربان ہو۔ طبیب کی مہربانی و شیریں زبانی مریض کا آدھا مرض کھو دیتی ہے۔۔۔ نیک نیتی سے خدا بھی راضی ہوتا ہے جو خاص جالب دست شفا ہے۔

۱۰۔ مرض معمولی ہو یا دشوار، مریض کو ہمیشہ بکشادہ پیشانی تسکین و تسلی دی جائے کہ کوئی بات نہیں ان شاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔

۱۱۔ علاج بعد تشخیص ہونا چاہیے نہ کہ تشخیص بعد علاج!۔۔۔!

طبیب کے لیے طبی بصیرت لازمی ہے:

طبی بصیرت کے بغیر کوئی شخص ماہر فن طب و حکمت نہیں تسلیم کیا جا سکتا ہے اور طبی بصیرت سے

مراد ہے علم طب میں کام لیے جانے والے سائنسی علوم مثل طبیعیات، کیمیا، ارضیات، حیاتیات اور نباتات وغیرہ سے طبیب کو آگاہی ہو کیونکہ مرض کی تشخیص سے لے کر دوا سازی اور دواؤں کی تجویز (مریض کی جسمانی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے) نیز ان کے ایسے اثرات کہ جس سے مریض کو جلد اور پوری طور سے شفا و صحت ہو۔

جہاں تک امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی طبی بصیرت یعنی مذکورہ بالا سائنسی علوم سے آپ کی واقفیت یا آگاہی کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ان علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں تیمم کے مسائل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا نے جنس ارضی کی جو تحقیق فرمائی ہے اس سے علم کیمیا اور ارضیات کی برانچ حجریات میں آپ کی مہارت بلکہ محققانہ مقام و مرتبہ کا پتا چلتا ہے۔ اسی تعلق سے امام احمد رضا کی طبی بصیرت کو اجاگر کرتے ہوئے حکیم محمد سعید دہلوی جیسے طبیب کامل لکھتے ہیں: "فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لیے ان کے فتاوے میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً علم کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقتِ نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اس تحقیقی اسلوب و معیار دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔"[۲]

جذام اور طاعون متعدی امراض نہیں:

امام احمد رضا کے نزدیک جذام متعدی مرض نہیں ہے اور نہ ہی طاعون۔

امام احمد رضا سے عرض کیا گیا: "بعض مرض متعدی ہوتے ہیں؟"

جواب دیا: "نہیں! حدیث میں ارشاد ہوا: لاعدوٰی۔

عرض: پھر جذامی سے بھاگنے کا کیوں حکم دیا گیا؟

ارشاد: وہ حکم ضعف الایمان کے واسطے ہے کہ اگر وہ اس کے پاس بیٹھے اور تقدیر الٰہی سے کچھ ہو جائے تو شیطان بہکا دے گا کہ یہ اس کے پاس بیٹھنے سے ہو گیا؛ گر نہ بیٹھتا تو نہ ہوتا تقدیر الٰہی کو بھول جائے گا۔

پھر امام سے عرض کیا گیا: ''پھر طاعون سے بھاگنے کی ممانعت کیوں؟

جواب دیا: ''اس کے لیے حدیث میں صاف ارشاد ہے: الفار من الطاعون کالفار من الزحف۔ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے جیسا جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔ اس پر بھی یہی ارشاد ہوا کہ جہاں طاعون ہو وہاں بلا ضرورت نہ جاؤ۔ ؎۳

عام طور سے حکما اور ڈاکٹر صاحبان تو سب کے سب جذام اور طاعون کو متعدی امراض مانتے ہیں، لیکن امام احمد رضا نے احادیث کریمہ سے دلیل دی کہ یہ امراض متعدی نہیں ہیں۔ احادیث کا علم اور سرکار ﷺ کا ہر فرمان اٹل ہے اور طبابت و میڈیکل سائنس کے علوم و نظریات تجرباتی مراحل سے گزرتے رہتے ہیں یعنی خطاواقدام کے مراحل سے۔ امام احمد رضا نے ہر علم کے اصول و نظریہ کو قرآن و سنت ہی کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ آپ کو انہیں کی بدولت طبی و سائنسی و دیگر علوم کی بصیرت حاصل ہوئی ہے۔

منہ کی گلٹیں کالی مرچ سے اچھی ہو گئیں:

کسی وجہ سے امام احمد رضا کے منہ میں گلٹیں نکل آئی تھیں۔ طبیب نے بتایا کہ طاعون ہے، لیکن آپ نے سرکار ﷺ کی بتائی ہوئی دعا پڑھ لی تھی لہٰذا یقین کامل تھا کہ طاعون کا مرض آپ کو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے گول مرچ کو مسواک پر رکھ کر مسواک کیا تو ایک کُلی خون کی آئی مگر تکلیف نہ ہوئی۔ بعدہ دوسری کلی خون کی آئی اور گلٹیں جاتی رہیں اور آپ کا منہ کُھل گیا۔ گول مرچ سے مسواک کرنے کا امام احمد رضا کو غیبی اشارہ ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک طبی نسخہ بن گیا اور اسے ''نسخہ رضویہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ ؎۴

امام احمد رضا بہت سے امراض کی باریکیوں سے واقف تھے اور انہیں یہ واقفیت حدیثِ پاک کے علم کی بدولت ہوئی تھی۔ ارشاد فرماتے ہیں: حضور ﷺ سے حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ رکھو۔ (۱) زکام

کہ اس کی وجہ سے دماغ کی بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔(۲) کھجلی کہ اس سے امراض جلد یہ جذام وغیرہ کاانسداد ہوجاتاہے۔(۳) آشوبِ چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے۔۵

نسخہ سازی:

امام احمد رضا کے مریدین ومعتقدین بیماریوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ صرف ان کے مکتوبات میں ان کے لکھے ہوئے حالات کو مد نظر رکھ کر انہیں نسخہ لکھ کر ارسال فرماتے تھے۔ مولوی عرفان علی صاحب بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے ان کے خط میں لکھے ہوئے حالات اور بیماری کے مدّ نظر دو نسخے ارسال فرمائے:

۱۔نسخہ حَبِ جواہر۔۔۔برائے مقویِ روح ومقویِ قلب

یاقوت رمانی۔ ۳ مثقال، عقیق یمنی۔ ایک مثقال، یشف سفید۔ یک نیم مثقال، زہر مہرہ مثقال۔ ۲ مثقال، ورق طلا۔ ایک مثقال۔ در گلاب سرمہ سائدہ جب برابر نخود دانہ خوراک یک ماشہ حب۔(ایک مثقال ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے)

۲۔نسخہ قہوۂ مقوی معدہ وجگر ودماغ ومشتھی

پودینہ خشک۔ ۵ ماشہ، دار چینی۔ (۱/۲) ۱/ماشہ، قرنفل۔ ۵عدد، الائچی سفید جو کوب۔ ۲ماشہ، انیسون۔ ۳ماشہ، گاؤزبان گیلانی۔ ۳ماشہ، بادر نجبویہ۔ ۳ماشہ، مویز منقیٰ۔ ۱۰ دانہ، عود غرقی۔ ۳سرخ، نبات سفید۔ ۲تولہ، مشک۔ ۲برنج، گلاب عمدہ۔ ۳تولہ، مجموعہ ایک خوراک ہے۔ چائے کی طرح روزانہ پئیں۔ حسب مزاج ان دواؤں میں کمی بیشی کرسکتے ہیں۔۶

علم الابدان:

ایکسرے مشین (X-Ray machine) کے موجد جرمن سائنس دان کو اس کی ایجاد پر ۱۹۰۱ء میں نوبل پرائز دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایجاد تھی۔ اب اس میں مزید اصلاح کے بعد الٹراساؤنڈ (Ultrasound) کا طریقہ اپنا یا جانے لگا ہے اور پھر یہ دعویٰ کیا جانے لگا ہے کہ اس کے ذریعہ جینز کے ساتھ جنس ابھرنے کے بعد اس کی جنسی نوع کا پتا چل جاتا ہے یعنی چار ماہی حمل کی ذکورت واناثت کا پتا چل جاتا ہے۔ پادریوں نے اس آلے کی

وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے قرآن میں ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور ہے یا اناث، لیکن ہم نے ایک ایسا آلہ نکالا ہے جس سے پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ پتا چل جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس مسئلے کو لے کر مولانا عبدالوحید صاحب فردوسی عظیم آبادی نے امام احمد رضا سے استفتا کیا تو جواب میں امام احمد رضا نے ایک معرکۂ آرار سالہ بنام "الصمصام علی مشکک فی آیت علوم الارحام" (۱۸۹۵ء/۱۳۱۴ھ) لکھا۔

زیر نظر رسالے میں امام احمد رضا نے فقہ، تفسیر، حدیث، علم کلام و دیگر دینی علوم فنون کے علاوہ علم طبیعیات، ہیئت و نجوم اور علم الحیوانات نیز میڈیکل سائنس وغیرہ میں اپنی مہارت کا زبردست مظاہرہ فرمایا ہے۔ امام احمد رضا نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ آیاتِ قرآنی میں جس علم کو اللہ عزوجل سے خاص بتایا گیا ہے وہ کسی مخلوق کے لیے ممکن نہیں پھر انسانی علم کی حقیقت بیان کر کے اس آلے سے ثابت ہونے والے علم کی کیفیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ علم باری تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا آلے سے یا خود انسان کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو خاص واجب سے اختصاص نہیں اور جو واجب کے ساتھ خاص ہے وہ انسان اور آلے کے لیے ثابت ہونا ممکن نہیں، لہٰذا قرآنی آیت بے غبار، قرآن کا اعلان برقرار اور یہ شبہات بے اعتبار!

اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس آلے کی بابت گفتگو فرماتے ہیں: "اب اس آلہ محدثہ کی طرف چلیے۔ فقیر اس پر مطلع نہ ہوا نہ کسی سے اس کا حال سنا۔ ظاہراً ایسی صورت نہیں کہ جن میں بحال وفی ظلمات ثلاث، تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہو جائے اور اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آجائے کہ بعد میں علاوق فم رحم سخت منضم ہو جاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے، اور اس جائے تنگ و تار میں جنین محبوس ہو جاتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ اس پر تین اور غلاف چڑھے ہوتے ہیں، ایک غطائے رقیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلۂ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلۂ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے تو ظاہراً آلے کا محصّل صرف بعض

علامات وامارات ممیزہ منجملہ خواص خارجیہ کا بتانا ہو گا جن سے ذکورت واناثت کا قیاس ہو سکے۔ جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کیے گئے ہوں اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی پیشتر جنبش یا حاملہ کی پستان راست یا چپ کے حجم میں افزایش یا سرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا یا رنگ روئے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا یا حرکات زن میں خفت یا ثقل پانا، قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی یا عورت کے خلافعادت بعض اطعمۂ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہوتی یا شم کبود میں زراوند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی اریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزۂ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ الی غیر ذلک مما یعرفہ اھل الفن ولکل شہوط براعیھا البصیر فیصیب الظن۔ ے

مندرجہ بالا عبارت سے امام احمد رضا کی علم الابدان اور مخصوص طبی نویسی کی اصلاح سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ماہر طبیب بھی تھے یا آج کی اصطلاح میں کہیں تو وہ ایک ماہر فزیشن (Physician) اور ماہر سرجن (Surgeon) تھے۔ امام احمد رضا نے جہاں یہ بتایا ہے کہ قیاسات کے تجربہ کار (وہ دائیاں ہوں یا اطبا وغیرہ) وہ حاملہ عورت کی جسمانی تبدیلی، قارورہ کی رنگت اور چہرے کی شادابی و تیرگی وغیرہ سے یہ قیاس ضرور لگا لیتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی! علاوہ اس کے خود ایک طبی عمل بھی بتاتے ہیں کہ اس سے بھی ذکورت یا اناثت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے: ”چشم کبود میں زاراوند قوق بعسل سرشتہ کا صبح علی الریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزہ دہن کا امتحان کہ شیریں ہو یا تلخ۔“

اب آگے امام احمد رضا جنین کے مشاہدے کے قیاسات اور مخصوص طبی عمل وغیرہ کے بعد اس آلے کے قیاس اور اس کی بناوٹ کے اعتبار سے اس طرح فرماتے ہیں: ”اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمتہ سے یہ بھی متحمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں کہ جن سے جنین مشاہدہ ہو جاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں بقدر حاجت کچھ توسیع و تفریج و دیگر روشنی پہنچا کر شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یا زجاجات متخالفۃ الملاء میں ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۂ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم مناظر، انعطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں۔“ ۸

مندرجہ بالا عبارت علم طبیعیات کی برانچ روشنی یا نور (Light یا Optics) میں مہارت کا بھی پتا دیتی ہے۔ امام احمد رضا نے واضح کر دیا ہے کہ مشینی طریقے سے اگر جنین مشاہدہ ہی ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم حقیقی وذاتی پر حرف نہیں آتا۔ امام احمد رضا نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس آلے میں اصل کام علم طبیعیات کے علم المناظر والمرایا سے لیا گیا ہے اور اس کا فیصلہ یقینی بدیہی نہیں۔ الٹرا ساؤنڈ سے چند علامات ایسی ظاہر ہوتی ہیں کہ جن سے ذکورت یا اناثت کا قیاس لگا لیتے ہیں۔ ہندوستانی کورٹ نے الٹرا ساؤنڈ سے جنین کی جانچ پر پابندی لگا دی ہے اور سزا بھی مقرر کر دی ہے۔ اس آلے کی تشخیصات کو اس فن کے ماہرین تقریبی تشخیص قرار دیتے ہیں، یقینی اور حتمی نہیں مانتے۔

غرض مدعا یہ کہ امام احمد رضا طب وحکمت کی تمام باریکیوں سے خوب واقف تھے اور وہ زبردست طبی اور سائنسی بصیرت کے مالک تھے۔

ماخذ ومراجع

۱۔ مکتوب بنام مولانا عبدالعزیز بجنوری۔ خطوط رضا مرتبہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، مطبوعہ بریلی، ص ۳۲ تا ۳۵۔
۲۔ مضمون، امام احمد رضا کی طبی بصیرت مشمولہ معارف رضا، کراچی، شمارہ نہم، ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۰۔
۳۔ الملفوظ مرتبہ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ص ۲۷۷، مطبوعہ دہلی۔
۴۔ ایضاً، حصہ اول، ص ۴۹۔
۵۔ ایضاً حصہ اول، ص ۷۴۔
۶۔ مکتوب بنام مولوی عرفان علی بیسلپوری مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت۔
۷۔ الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام۔
۸۔ الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام۔


امام احمد رضا
اور
علم صوتیات
از
ڈاکٹر محمد مالک
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان

امام احمد رضا اور تحقیق مرجان (Coral)

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چیئرمین شعبہ پیٹرولیم ٹیکنالوجی، جامعہ کراچی۔

امام احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) ابن مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (م، ۱۲۹۷ء / ۱۸۸۰) بیسویں صدی عیسوی کے عالم اسلام کی عبقری اور ماہر جملہ علوم وفنون عظیم ہستی تھی اور اگر تمام اہل علم و فن بہ نظر انصاف غیر جانبدارانہ فیصلہ کریں تو پوری صدی میں انہیں صرف امام احمد رضا کی شخصیت نظر آئے گی جو تنِ تنہا اپنے زمانے کے تمام مروجہ علوم وفنون کی ماہر قرار پاتی ہے لہذا اگر آپ کو بیسویں صدی عیسویں کی ماہر جملہ علوم وفنون شخصیت قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا شاعر نے سچ کہا ہے:

اگلوں نے تو لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

امام احمد رضا کو بیسویں صدی عیسویں کی عظیم ترین ہستی ہونا چاہیئے کیونکہ اس فرد کامل نے آج سے ۹۴ سال قبل جو سائنسی، دینی، ادبی، معاشرتی، معیشتی معلومات فراہم کی تھیں۔ وہ ان کی علمی

وسعتوں اور جہتوں کا آئینہ دار ہیں۔ حقیقتاً اصل کمال یہ ہے کہ امام احمد رضا سائنسی علوم وفنون کے ہر ہر شعبہ کے متعلق سرسری نہیں بلکہ اس کے جزئیات وکلیات کے تمام اصول وضوابط سے آگاہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر علم وفن پر محققانہ انداز میں صفحات کے صفحات تحریر سے فرماتے جاتے ہیں۔

امام احمد رضا صرف مختلف علوم وفنون کے سمندروں میں غوطہ لگا کر ہی موتیوں کی لڑیاں پیش نہیں کرتے بلکہ وہ حقیقی سمندروں میں بھی غوطہ زن ہو کر وہاں کے پوشیدہ خزانوں کی معلومات فراہم کرتے ہیں اور موتی اور مونگا کے بننے کے عمل کو اپنے قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سمندر کی تہ میں کیا کیا عمل ہو رہے ہیں، کہاں سے زمین کھسک رہی ہے کہاں پر سمندر میں پتھر اور پہاڑ بن رہے ہیں، کون کون سے جانور سمندر کی تہہ میں پائے جاتے ہیں، مچھلی اور جھینگے میں کیا فرق ہے اور سمندر میں موتی اور مونگا (مرجان) کس طرح بنتے ہیں۔

امام احمد رضا پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم نظر آتا ہے کہ آپ ہر علم سے صرف آگاہ ہی نہیں بلکہ اس علم کے تمام اصول وضوابط کے بھی عارف ہیں یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے اسلاف کی تحقیق کو پیش کرتے ہیں تو ان کے سہو کو اصول وضوابط کی روشنی میں اشارہ کرتے ہیں مگر ان کے اپنے سائنسی مقالات میں کوئی بات یا دلیل سائنسی اصول کے خلاف نہیں ملتی۔ سب سے زیادہ اہم امر یہ ہے کہ ان کا کوئی بھی سائنسی نظریہ قرآن واحادیث کی کسی بھی عبارت یا آیت کے مخالف نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر اصول کو ان دونوں ماخذ کے آئینے میں پرکھتے ہیں اگر اس کے مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں جب کہ دنیاوی علوم کے اصول کو اگر ان دو ماخذ کے خلاف پاتے ہیں تو بہت ہی شد ومد کے ساتھ رد کرتے ہیں اور اپنا اسلامی موقف پیش کرتے ہیں یہ بات دیگر ہے کہ سائنسی دنیا ان کے موقف کو کو تسلیم نہ کرے۔

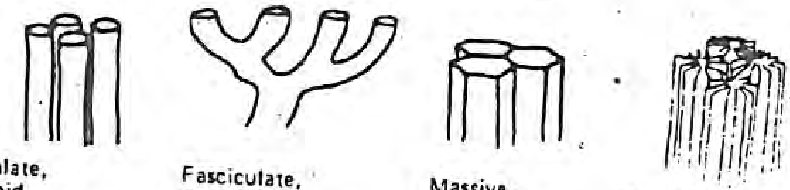
مرجان (مونگا/Coral) کے متعلق فقہا کرام کے مختلف موقف ہیں بعض حضرات اس کو نبات (Vegetation) میں شامل کرتے ہیں اس لئے اس سے تیمّم نہیں کیا جاسکتا جبکہ بعض حضرات اس کو پتھر (حجر) میں شامل سمجھتے ہوئے اس سے تیمّم کو جائز بتاتے ہیں اور بعض حضرات درمیانی صورت کے قائل ہیں جبکہ حیوانیات اور ارضیات کے ماہرین بھی مختلف آراء رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ نباتات (Plant)

ے تعلق رکھتے ہیں اور بعض کے نزدیک حیوانات(invertebrate animal) سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ایک حقیقت پر سب متفق ہیں کہ آخر مونگا پتھر ہی کی شکل میں ملتا ہے۔اس سے قبل کہ امام احمد رضا کی مرجان پر تحقیق پیش کروں پہلے مرجان(Coral) سے متعلق جدید معلومات ملاحظہ فرمائیں:

Coal The hard lime (calcium carbonate) substance produced by colonies of small marine invertebrate animals (Which has no eyes no anus or any circulatory system) of the phylum CEOLENTRATA The base of the coral polyp sist in a stony cup which it se cretes AS the old individual die(animal dies) These caco3 cups remain and serve as a base for new individuals The stony deposits (inform of clonies or some time individual animal) take varied forms shapes sizes and Colors depen ding on the kind of Coral organ ism.

Corals are found almost exclusively warm semitropical and tropical seas The most interesting corals are the many reef building species which forms a wide lengthy and vertical colony. (1)

COMPOUND CORALLA



Fasciculate, Phaceloid (corallites subparallel) — Fasciculate, Dendroid (corallites branching) — Massive, Cerioid (fused corallites in close contact) — Massive, Astraeoid (fused corallites lacking epithecal walls)

مرجان سمندروں کی مختلف گم گہرائیوں میں پایا جانے والا ایک قسم کا جانور ہے جو بہت چھوٹا ہوتا ہے اور عجیب قسم کا جانور ہے کہ نہ منہ ہے، نہ آنکھیں نہ کوئی اور سسٹم۔یہ جانور سمندر سے Ca Co3 کو غذا کے طور پر حاصل کرتا ہے اور اپنے پیچھے کیلشیم کا نالی نما ل خول چھوڑتا جاتا ہے اور افقی سمت بڑھتا ہے۔اس قسم کے جانور بعض دفعہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ایک ہی جگہ سے بڑھنا اور پھیلنا شروع ہوجاتے ہیں اس لئے ایک (Colonial rock) جانوروں کی کالونی نما چٹان بنتی چلی جاتی ہے جس کی لمبائی بعض وقت کئی کلو میٹر اور اونچائی کئی سو میٹر پہنچ جاتی ہے جب یہ کورل کالونی زندہ جانوروں کی شکل میں سمندر کی تہہ میں ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی گھاس نما درخت اگا ہوا ہے اور سمندروں کی لہروں کے

ساتھ یہ چاروں طرف جھکتا بھی رہتا ہے مگر آہستہ آہستہ نیچے کا حصہ چٹان بنتا چلا جاتا ہے اور جب اوپر قیام کئے ہوئے تمام جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر ایک چٹان کی شکل اختیار کر لیتا ہے بعض وقت یہ دوسری مٹی کے تہہ میں دب جاتا ہے اور اس میں اور دیگر چٹانوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے مگر یہ اپنے مونگے کے باعث جلد ہی پہچان میں آجاتی ہے۔

اس مرجان کو چٹان یا پتھر کہا جائے اور اس کو جنس زمین سمجھا جائے یا نہیں اور اس سے تیمم جائز ہے یا نہیں ان تمام سوالوں کے تفصیلی اور تحقیقی جواب امام احمد رضا نے اپنے ایک ضمنی رسالہ (Sub-article) میں لکھے ہیں جس کا عنوان ہے:

"المطر السعید علی بنت جنس الصعید ۱۳۳۵ھ"

"جنس صعید (مٹی یا زمین) کی نبات پر باران مسعود"

امام احمد رضا نے اس رسالے میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فقہی قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے تیمم کے سلسلے میں ایک ضابطہ قائم فرمایا کہ:

"ہر اس چیز سے کہ جنس ارض (Kind of
Rock) سے ہو تیمم روا ہے جبکہ غیر جنس (Ohter
Than rock) سے مغلوب نہ اور اس کی غیر سے ہمارے جملہ ائمہ کے نزدیک روا نہیں لہذا جنس ارض کی تحریری (Limitations) اور تعدید (Explanations) درکار ہیں۔"[۲]

سب سے پہلے جنس ارض سے متعلق امام احمد رضا کی تعریف ملاحظہ کریں:

"ہمارے مشائخ نے فرمایا جنس ارض وہ ہے جو آگ سے جل کر راکھ نہ ہو جائے اور جو نرم نہ ہو اور منطبع (پارہ پارہ) نہ ہو۔ یاقوت بھی انہیں چیزوں میں داخل ہے جو نہ نرم ہوتا ہے نہ منطبع اور نہ جلتا ہے اور جو آگ سے جل جائے یا اس سے نرم ہو جائے (تمام دھاتیں) وہ جنس ارض سے نہیں"۔[۳]

امام احمد رضا منطبع کی وضاحت کرتے ہیں کہیں پڑھنے والا غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ ریت بھی تو پارہ پارہ ریزہ ریزہ شکل میں ملتی ہے اس کا مطلب ہوا کہ یہ جنس ارض سے نہیں مگر امام احمد رضا ہر متعلقہ اشکال کا خیال رکھتے ہیں اس لئے فوراً منطبع کی وضاحت فرمائی:

"ہماری تقریر سے واضح ہوا کہ مٹی بھی منطبع (ریزہ ریزہ) ہوتی ہے ابھی قاموس سے گزرا طبع الجرۃ من الطین (مٹی سے گھڑا بنایا) مگر یہاں مراد وہ ہے جس کی صلاحیت آگ سے نرم ہو کر پیدا ہو۔۔۔عامہ علماء نے کہ یہاں منطبع مطلق چھوڑا ہے اس سے یہی منطبع بالنار مراد ہے۔۔۔۔ ورنہ پانی مٹی بھی گلتی اور پگھلتی ہے۔"[۴]

امام احمد رضا نے اپنے اس رسالے (Article) میں کہ کون سی شے زمین کا حصہ ہے اور کون سی شے زمین کے حصہ سے تعلق نہیں رکھتی اس کی طویل بحث کرتے ہوئے ۱۴ مختلف زاویوں (parameter) سے ثابت کیا ہے کہ کب اور کن حالات میں کوئی شے زمین کا حصہ ہے یا نہیں مگر یہاں اس تفصیل میں جائے بغیر امام احمد کا نظریہ مختصراً پیش کر رہا ہوں تفصیل کے لئے اصل رسالے کا مطالعہ کیا جائے۔

"وباللہ التوفیق، غیر جنس ہونے کا مناط (Criteria) سات (۷) قول وصف پر مشتمل ہیں ان سات اوصاف میں سے ایک بھی ہو تو وہ شے جنس ارض نہیں اور اس سے تیمّم ناجائز اور اصلاً ایسا کوئی وصف (character) نہ ہو تو جنس ارض سے ہے اور تیمّم جائز۔"[۵]

امام احمد رضا نے جنس ارض کی ایک طویل بحث کے بعد ۱۸۱۔ اقسام کی مٹی یا پتھر کی تعداد گنوئیں جن سے احناف کے نزدیک تیمّم جائز ہے اور حیرت کا مقام ہے کہ ۱۸۱ میں ۱۰۷ اقسام صرف امام احمد رضا کا اضافہ (Contribution) ہے اس سلسلے میں آپ خود رقم طراز ہیں۔

"ایک سو اکیاسی (۱۸۱) چیزوں کا بیان جن سے تیمّم جائز ہے" آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ان بعض اشیاء کا شمار جن سے ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں تیمّم جائز ہے انہیں دو قسم کریں۔ منصوصات (تحقیق شدہ) جن کی تشریح کتابوں میں اس وقت پیش نظر ہے۔ مزیدات (اضافہ) کہ فقیر (احمد رضا) نے اضافہ کیں"[۶]

امام احمد رضا کی ذہانت پر حیرت ہے اور یہ یقیناً فضل ربی ہے کہ ۱۲ سو سال میں ہزاروں فقہا نے ۷۴۔ اقسام کی اشیاء سے تیمّم کو جائز بتایا اور فرد واحد امام احمد رضا نے اپنی ۵۰ سالہ علمی کاوش میں ۱۰۷ مزید اقسام کی مٹی کا اضافہ فرمایا جن سے تیمّم کیا جاسکتا ہے اسی طرح عدم جواز کے سلسلے ہی میں ۱۲۰۰ سو سال میں ۵۸ اقسام کی اشیاجو زمین کی جنس سے تعلق نہیں رکھتی فقہا نے تیمم سے منع فرمایا مگر محقق اعظم نے ۷۲ کا اپنی جانب سے اضافہ کرکے عدم جواز کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچا دی خود نقل فرماتے ہیں:

"(یہ تین سو گیارہ (۳۱۱) چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمّم جائز جن میں ۷۴ منصوصات اور ۱۰۷ زیادات فقیر اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیادات فقیر اور ۱۳۰ سے ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہوسکے گا۔"[۷]

امام احمد رضا اس فضل خداوندی پر ان الفاظ میں شکریہ ادا فرمارہے ہیں:

"وللہ الحمد اولا و آخراً وبہ التوفیق باطناً و ظاھراً وصلی اللہ تعالٰی وسلم علی حبیبہ وآلہ وصحبہ متوافراً متکاثراً"[۸]

امام احمد رضا اپنے مشاہدات اور موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا نے رسالے کے آخر میں گیارہ ان اقسام کا ذکر بھی کیا ہے کہ جن سے تیمّم میں فقہا کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ اشیاء جنس ارض سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض کے نزدیک تعلق نہیں رکھتی۔ امام احمد رضا ہر ایک پر تفصیلی بحث کے بعد اپنا موقف پیش کیا ہے یہ ہی صورت حال (مرجان) کے ساتھ ہے فقہا کرام کی اس میں دو رائے پائی جاتی ہیں کچھ فقہائے کرام اس مرجان کو نباتات میں شمار کرتے ہوئے اس سے تیمّم ناجائز قرار دیا۔ اس تحقیق کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے۔

قرآن مجید میں دو جگہ مرجان کا ذکر آیا اور امام احمد رضا دونوں جگہ مراد مونگا لیا ہے چھوٹا موتی نہیں:

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ الرحمٰن

ان میں سے موتی (Pearl) اور مونگا (Coral) نکلتا ہے۔ (کنز الایمان)

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ۝ الرحمٰن

گویا وہ لعل (Ruby) اور مونگا (Coral) ہیں۔ (کنز الایمان)

امام احمد رضا مرجان سے تیمم کے سلسلے میں اس کے جواز اور عدم جواز پر فقہا کرام کی کتب کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تبیین الحقائق، معراج الدرایہ، غایۃ البیان، توشیح، عنایہ، محیط، خزانۃ الفتاوی، بحر، نہر اور ہندیہ وغیرہ عامہ کتب میں اس سے جواز کی تصریح ہے مگر فتح" میں ممانعت واقع ہوئی اور "درمختار" و "خادمی" نے ان کا اتباع کیا۔ شیخ الاسلام غزی نے بھی اسی طرف میل فرمایا اور ان کے شیخ نے "بحر" میں فرمایا وہ سہو ہے۔ "نہر" نے فرمایا سبق قلم ہے اور حق جواز ہے جیسا کہ "ازہری" اور شامی میں ہے"۔[9]

امام احمد رضا اپنے مشاہدات اور موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اقول منح الغفار کی عبارت جیسا کہ شامی میں ہے اس طرح ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سہو نہیں اس لئے کہ انہوں نے جواز تیمم سے اس لئے منع کیا کہ ان کے نزدیک یہی بڑا کہ وہ (مونگا) پانی سے بنتا ہے جیسے موتی (Pearl) تو اگر حقیقت امر یہ ہی ہے تو منع جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور قائل جواز نے جائز اس لئے کہا کہ اس کے نزدیک یہی بڑا کہ وہ اجزائے زمین سے ہے تو اگر وہ ایسا ہی ہے تو جواز میں کوئی کلام نہیں۔

جوہر شناسوں (Gemonologist) کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو مشابہتیں (Similarities) پائی جاتی ہیں (۱) ایک مشابہت نباتات (Plant) سے (۲) اور ایک مشابہت معدنیات (nonmetallicores) سے ہوتی ہے ابن الجوزی اسے صاف طور پر بیان کیا وہ لکھتے ہیں یہ (مرجان) عالم نباتات (Vegetatation/plant) اور عالم جماد (Stone) کے درمیان متوسط ہے۔ اپنے تحجر اور پتھر کی طرح ٹھوس ہونے میں جماد (چٹان) کے مشابہ ہے اور اس بات میں نبات (پودے) کے مشابہ ہے کہ سمندر

کی گہرائی میں اس کے رگوں(veins)اور پھوٹی ہوئی کھڑی (Vertical branching) ڈالیوں والے اگنے والے درخت لگتے ہیں۔[۱۰]

آگے چل کر امام احمد رضا محشی رملی کا جواز کا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مرجان۔ مونگا(Coral reet or coralline Limestone)دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے جو سمندر میں درختوں کی طرح بڑھتا ہے اس لئے عامہ کتب میں جواز پر جزم ہے"۔[۱۱]

امام احمد رضا تمام آرا کی تطبیق کرتے ہوئے تجزیہ پیش کرتے ہیں:

"اقول۔ اصحاب احجار(ماھرہ حجریات) نے اس کے حجر(پتھر) ہونے کی تصریں(Confirm)کی اور اسے حجر شجری(Tree like stone)کہا نہ کہ شجر حجری(Stone like tree)۔[۱۲]

جامع ابن بیطار کے حوالے سے ارسطور کی عبارت نقل کرتے ہوئے امام احمد رضا لکھتے ہیں:

"بسند(Branch coral)اور مرجان(Coral)ایک ہی مرجان کو کہتے ہیں فرق یہ ہے کہ مرجان اصل ہے اور بسند فرغ مرجان(مونگے) میں تخلخل(Rinds)اور سوراخ(Cavity)ہوتے ہیں اور بسند درخت کی ڈالیوں کی طرح پھیلتا اور بڑھتا ہے اور ڈالیوں کی طرح اس میں شاخیں بھی نکلتی ہیں۔[۱۳]

آپ مخزن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مرجان ایک حجری جسم (Stony body)ہے جو درخت کی ساق و شاق (root&branch) کی طرح مشابہ ہوتا ہے۔[۱۴]

تحفہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بسند مرجان کا ایک نام ہے اور ایک نباتی قوت رکھنے والا پتھر ہے جو دریا(سمندر) کی گہرائی میں(سمندری تہہ میں اگتا(بڑھتا) ہے۔[۱۵]

امام احمد رضا ان مشابہتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مطلق آراء پیش کرتے ہیں:

اور نبات(Plant growth)سے اس کی مشابہت سے (مرجان) کو حجر(پتھر ہونے) سے خارج اور شجر(کی اقسام) داخل نہیں کرتا"۔[۱۶]

امام احمد رضا مرجان کو پتھر کی قسم ہی سمجھتے ہیں اور اس کو سمندری چٹان کا حصہ قرار دیتے ہوئے جنس زمین قرار دیتے ہیں اور تیمّم کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ آپ حکم شرعی دیتے ہیں:

"لاجرم اس سے جواز تیمّم میں شک نہیں"۔ ۱۷

مآخذ و مراجع

۱ The Webster family encyclopedia V.5,p234.

۲ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۶۶۱ مکتبہ رضویہ کراچی۔

۳ فتاویٰ رضویہ جدید، جلد سوم ص ۵۸۲ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

۴ ایضاً۔۳۔۵۸۴۔لاہور۔

۵ ایضاً۔۳۔۵۹۴۔لاہور۔

۶ ایضاً۔۳۔۶۲۸۔لاہور۔

۷ ایضاً۔۳۔۶۵۸۔لاہور۔

۸ ایضاً، جلد ۳۔ص ۶۵۸۔لاہور۔

۹ ایضاً۔۳۔۶۸۴۔لاہور۔

۱۰ ایضاً۔۳۔۶۸۲۔لاہور)

۱۱ ایضاً۔۳۔ص ۶۸۶۔

۱۲ ایضاً۔۳۔ص ۶۸۶۔

۱۳ ایضاً۔۳۔۶۸۷۔لاہور۔

۱۴ ص ۶۸۷۔

۱۵ ص ۶۸۷۔

۱۶ ص ۶۸۸۔

۱۷ ص ۶۸۸۔



کشف العلۃ عن سمت القبلۃ
قبلہ نما
تصنیف: مجددِ اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ)

امام احمد رضااور نظریۂ روشنی

ڈاکٹر محمد مالک

آج سائنسی ترقی اپنے عروج پر ہے۔ نت نئی دریافتیں، ایجادات اور جدید ٹیکنالوجی کی کرشمہ سازیاں سامنے آرہی ہیں۔ تسخیر کائنات کے حوالے سے قرآن حکیم کی صداقت اور غلبۂ اسلام کی حقانیت کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جارہا ہے جو مسلم امہ کے لیے قابل فخر ہے۔" قرآن اور ایٹمی پروگرام" کے بعد ہمارا موضوع سخن نظریہ روشنی ہے مختصراً جائزہ اس بات کا ثبوت ہو گا کہ موجودہ صدی میں مسلم مفکرین و سائنسدانوں نے اسلامی سرحدوں کی پاسداری کرتے ہوئے نئی نسل (New Generation) کو تحقیق کی راہ پر گامزان رہنے کو مقصد حیات بتایا اور علم کی روشنی سے روشناس کرایا تا کہ تحقیقی دنیا کا ارتقائی سفر جاری رہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جابر بن حیان اور البیرونی (973-1048) کے بعد موجودہ صدی میں دینی علوم و جدید سائنسی خدمات کا سہرا ایک ایسی ہستی کے سر ہے جس نے اپنے 65 سالہ دور حیات میں علمی تحقیقات کو بام عروج پر پہنچایا اور علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور خداداد صلاحیتوں سے اپنی تحقیقی

قابلیتوں کا لوہا منواتے ہوئے اقبال کے شاہین میں ایک ایسی روح پھونکی کہ یونیورسٹی فورم پر جامعات (Universities) امام احمد رضا کی تحقیقی خدمات پر ایم فل اور پی ایچ ڈی (M.phil & p.h.D) کی اعلیٰ ڈگریاں دے کر اسے اپنے لیے اعزاز سمجھتی ہیں اور آج اس ہستی کے علمی تبحر کا چرچا آفتاب نصف النہار کی طرح یوں درخشاں و تابندہ ہے کہ اب تک دنیا کی تقریبا 30 یونیورسٹیوں میں مفکر اسلام امام احمد رضا خان (1856-1921) کی علمی و تحقیقی خدمات پر سب سے زیادہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں ایوارڈ کی جاچکی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے جس پر مغربی دنیا محو حیرت اور عالم اسلام کا سر فخر سے بلند ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ علمی دنیا میں سبقت لے گئے ہیں سو سے زائد علوم پر کامل مہارت اور ہزار سے زائد تصانیف اس کا کھلا ثبوت ہیں۔ فاذکرونی اذکرکم (ترجمہ۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا) کے مصداق اس ہمہ جہت شخصیت کو انٹرنیشنل دانشور اور جدید سکالرز، (ڈاکٹرز، پروفیسرز، جسٹس صاحبان، فقہائے عرب و عجم اور عالمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان) نے خراج تحسین پیش کیا ہے اور آج تقریبا پوری دنیا میں رب تعالیٰ کی اس انعام یافتہ و بحرالعلوم شخصیت کی تحقیقی خدمات کو عام کرنے کے لئے ادارے، اکیڈمیاں اور ریسرچ سینٹرز مصروف عمل ہیں۔

روشنی (Light) کیا ہے؟ روشنی کی ماہیت (Nature of Light) اور نظریات و قوانین (Theories & laws of Light) کو سمجھنے کے لیے مختلف ادوار میں مختلف عالمی سائنسدانوں اور مفکرین کے تخلیقی و تحقیقی خدمات کے حوالے سے ان کے نام کیے جاتے ہیں (Famous firsts in light theory)

(۱) ابوالحسن ابن الہیثم (965-1039)

(۲) ہائیگنز (1629-1695)

(۳) تھامس ینگ (1801)

(۴) نیوٹن (1642-1727)

(۶) مورلے (امریکہ) (1931)

(۷) مائیکلسن (امریکہ) (1852)

(۸)میکس پلانک(1857-1947)

(۹)سنیل SNELL (1591-1621)

(۱۰)البرٹ آئن سٹائن(1879-1955)

(۱۱)کولس ڈی بروگلی(فرانس) (1872-1987)

(۱۲)اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (ایشیاء) (1856-1921)

نظریہ روشنی سے متعلق یہاں پر میں علمی و تحقیقی دنیا کے شہسوار مفکر اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (1856-1921) کی تخلیقی کاوشوں کا ذکر کرنا چاہوں گا تا کہ اقبال کا شاہین علمی دنیا میں اسلاف کے نقش قدم پر چل کر رواں دواں رہے۔ امام احمد رضا نے اپنے تخلیقی ذہن سے نظریہ روشنی کے جن موضوعات پر بحث کی ہے حسب ذیل ہیں۔

۱۔روشنی کا انعکاس(Reflectiom of Light)

۲۔روشنی کا انعطاف(Refraction of Light)

۳۔کلی داخلی انعکاس(Total Internal Reflection)

۴۔روشنی کے نظریات(Theories of Light)

۵۔روشنی کے قوانین(Laws of Light)

۶۔جیومیٹرک آپٹکس(Geomertic optics)

۷۔فضائی انعطاف (Atmospheric Refraction)

۸۔روشنی کی شعاعوں کا پلٹنا اور شبیہہ کا بننا (Reversal Rays Of Light & formation image)

۹۔انعکاس و انعطاف کی بنا پر الٹراساؤنڈ مشین کا فارمولا(-on of Ultra sound formulate-) phenomemon- Machine on the basis of reflection and refraction of lighat piez-olectrac thramsmission & reflecti- on)

اب میں امام احمد رضا کی تصانیف میں سے نظریۂ روشنی سے متعلق چند اصل عبارتیں کوڈ کرتا ہوں تاکہ ماہرین مزید تحقیق کے لیے قلم اٹھا سکیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم (جدید ایڈیشن) صفحہ 240 پر رقمطراز ہیں۔

شفیف اجرام کا قاعدہ ہے کہ شعاعیں ان پر پڑ کر واپس ہوتی ہیں اور آئینہ میں اپنی اور اپنے پشت چیزوں کی صورت نظر آتی ہے کہ اس نے اشعۂ بصر جو واپس پلٹا یا واپسی میں نگاہ جس جس چیز پر پڑی نظر آئی گمان ہوتا ہے کہ وہ صورتیں آئینے میں ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ ہیں نگاہ نے پلٹنے میں انہیں دیکھا ہے لہذا آئینہ میں داھنی جانب بائیں معلوم ہوتی ہے اور بائیں داھنی ولہذا شئے آئینے سے جتنی دور ہو اسی قدر دور سے دکھائی دیتی ہے اگرچہ سو گز فاصلہ ہو حالانکہ آئینہ کا دل جو بھر ہے سبب وہی ہے کہ پلٹتی نگاہ اتنا ہی فاصلہ طے کر کے اس تک پہنچتی ہے۔ اب برف کے یہ باریک متصل اجزا کہ شفاف ہیں نظر کی شعاعوں کو انہوں نے واپس پلٹتی شعاعوں کی کرنیں ان پر چمکیں اور دھوپ کی سی حالت پیدا کی جیسے پانی یا آئینے پر آفتاب چمکے اس کا عکس دیوار پر کیسا سفید براق نظر آتا ہے۔"

"زمین شور میں دھوپ کی شدت میں دور سے سراب (Mirage) نظر آنے کا بھی یہی باعث ہے خوب چمکتا، جنبش کرتا پانی دکھائی دیتا ہے کہ اس زمین میں اجزائے صقیلہ شفافہ دور تک پھیلے ہوتے ہیں نگاہ کی شعاعیں ان پر پڑ کر واپس ہوئیں اور شعاع کا قاعدہ ہے کہ واپسی میں لرزتی ہے جیسے آئینہ پر آفتاب چمکے دیوار پر اس کا عکس جھل جھل کرتا آتا ہے اور شعاعوں کے زوایے یہاں چھوٹے تھے جبکہ ان کی ساقیں طویل ہیں کہ سراب دور ہی سے متخیل ہوتا ہے اور وتر اسی قدر ہے جو ناظر کے قدم سے آنکھ تک ہے اور چھوٹے وتر پر ساقیں جتنی زیادہ دور جا کر ملیں گی زوایہ خورد تر بنے گا"۔

آگے چل کر (Law of refraction of Light) کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"اور زاویائے انعکاس ہمیشہ زاویائے شعاع کے برابر ہوتے ہیں، اشعۂ بصر یہ اتنے ہی زاویوں پر پلٹتی ہیں جتنوں پر گئی تھیں ان دونوں امر کے اجتماع سے نگاہیں کہ اجزائے بعیدہ صقیلہ پر بڑی تھیں لرزتی جھل جھل کرتی چھوٹے زاویوں پر زمین سے ملی ملی پلٹیں لہذا وہاں چمک دار پانی جنبش کرتا متخیل ہوا"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالم اسلام کے مفتی اعظم مجدد زماں، مفکر اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ جلد 26 صفحہ نمبر 76-475 پر پادری کا جواب دیتے ہوئے رسالہ " الصمصام" میں جب رب تعالیٰ کی (Supremacy) اور اسلام کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے الٹراساونڈ مشین کا فارمولا انعکاس نور، انعکاف نور (Reflection & Refraction of Light) اور فزیکل آپٹکس (Physical optics) کے تحت بیان فرمایا ہے جو آجکل جدید سائنس کی رو سے -- (Reflection Phenomenon-Tran-Smission & Piezoelectric) کہلاتا ہے چنانچہ رقم طراز ہیں:

" اور عجائب صنع الہیٰ جلت حکمت سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں جن سے جنین (Fetus) مشاہدہ ہی ہو جاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں بقدر حاجت کچھ توسیع و تفریح دے کر روشنی پہنچا کر کچھ شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باھم تادئیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یا زجاجات متخالفہ ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۂ بصریہ جو حسبِ قاعدہ مفروضہ علم مناظر انعطاف دیتے ہوئے جنین (Fetus) تک لے جائیں"۔

ماخذ و مراجع

[1] بحوالہ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم، جلد 27،26۔ الدقتہ والبتیان الصمصام، الکمہ الملہمہ)

رَدِّ فلسفۂ قدیمہ

از

امام احمد رضا محدث بریلوی

باہتمام

کے۔ ایم۔ زاہد

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان
اسلام آباد شاخ

امام احمد رضا اور نظریہ صوت و صدا

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

آج اہل مغرب کو اپنے جن سائنسی اور ریاضیاتی علوم پر ناز ہے وہ مسلمانوں ہی کی دین ہیں۔ لیکن جب رفتہ رفتہ مسلمان اپنے دین اور علم دین سے دور ہوتے گئے تو دنیوی علم بھی ان کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے مگر ہر دور میں ایسے مسلم علماء و حکماء جنم لیتے رہے جنہوں نے عقلی علوم وفنون میں اپنے کمال کا اظہار کر کے اہل مغرب کو یہ احساس دلایا ہے کہ یہ علوم تمہارے دماغوں کے اپج نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کی رہین منت ہیں۔

۱۹رویں صدی عیسویں میں بریلی کی دھرتی پر امام احمد رضا نام کے ایک ایسے ہی عظیم المرتبت عالم دین اور عبقری نے جنم لیا جس نے اپنی ۶۵ر سالہ زندگی میں ۶۵ر سے زائد علوم وفنون میں اپنی بھرپور مہارت ظاہر کر کے زمانہ کو حیرت زدہ کر دیا وہ سائنسی علوم میں کیمیا، ارضیات، جغرافیہ، حیاتیات اور نباتیات وغیرہ کے علاوہ علم طبیعیات (Physics) پر بھی حاوی تھے۔ انہوں نے مغربی سائنسدانوں گیلی

لیو، کیپلر، ہرشل نیوٹن اور آئن سٹائن کے مختلف نظریوں اور تھیوریوں کا ردوابطال بھی کیا ہے اور ان سائنسدانوں کا تعاقب بھی فرمایا ہے۔

امام احمد رضا نے سائنس کو بھی اسلامی رنگ میں رنگ کر، دینی علوم میں ان کا استعمال فرما کر انہیں علوم دینیہ بالخصوص علم فقہ کا خادم بنا دیا۔

علم طبعیات کو ماہرین طبعیات نے سائنسی علوم میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل علم تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اسے مندرجہ ذیل برانچوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) میکانکس اور مادے کی عام خصوصیات [Mechanics& General properties of Matter]

(۲) حرارت (Heat)

(۳) روشنی یا نور (Light)

(۴) صوت وصدا (Sound)

(۵) مقناطیسیت (Magnetism)

(۶) برق یا بجلی (Electricity)

ماہرین طبیعیات نے بجلی (Electricity) ہی کے تحت الیکٹرانکس (Electronics) اور ایٹمی تھیوری (Atomic Theory) کو بھی رکھا ہے۔

امام احمد رضا نے علم طبعیات کی مندرجہ بالا تمام برانچوں میں اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ ثبوت کے لئے آپ کی حسب ذیل تصانیف دیکھی جاسکتی ہیں:

(۱) فوز مبین در رد حرکت زمین

(۲) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان

(۳) معین مبین بہر دور شمس سکون زمین

(۴) فتاوٰی رضویہ جلد اول، جلد دہم وغیرہ

طبعیات کی برانچ "صوت و صدا" (Sound) پر بھی امام احمد رضا نے اپنے نظریات پیش کیئے ہیں۔
آواز (Sound) کے سلسلے میں امام احمد رضا نے بالتفصیل سائنسی انداز میں بحث کی ہے:

(۱) آواز کیا ہے؟
(۲) آواز کیونکر پیدا ہوتی ہے؟
(۳) آواز کیونکر سننے ہوتی ہے؟
(۴) آواز اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے؟
(۵) (آواز) کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان میں پیدا ہوتی ہے؟
(۶) آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے، وہ اس کی صفت ہے یا کسی چیز کی؟
(۷) (آواز) اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا کنے ان اصولوں کی ایسی صراحت فرمائی ہے جو جدید طبیعیات (Modern physics) سے بالکل مطابقت رکھتی ہے۔[۱]

۱،۲،۳ / آواز کیا ہے؟ آواز کیونکہ پیدا ہوتی ہے؟ آواز کیونکر سننے، میں آتی ہے؟

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"ایک جسم کا دوسرے؛ بقوت ملنا جسے قرع کہتے ہیں یا بہ سختی جدا ہونا کہ قلع کہلاتا ہے جس ملائے لطیف مثل ہوا یا آب میں واقع ہو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکیل و تکییف لاتا ہے اسی شکل و کیفیت مخصوصہ کا نام آواز ہے۔ یہ ہوائے اول یعنی جس پر ابتداءً وہ قرع و قلع واقع ہوا جیسے صورت کلام میں ہوائے دہن متکلم اگر بعینہ ہوائے گوش سامع ہوتی تو یہیں وہ آواز سننے میں آ جاتی مگر ایسا نہیں لہٰذا حکیم عزت حکمتہ نے اس آواز کو گوش سامع تک پہنچانے یعنی ان متشکلات اس کے ہوائے گوش میں بنانے کے لئے سلسلہ تموج قائم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نرم و تر اجسام میں تحریک سے موج بنتی ہے جیسے تالاب میں کوئی پتھر ڈالو یہ اپنے مجاور اجزائے آب کو حرکت دے گا وہ اپنے متصل وہ اپنے مقام کو جہاں تک کہ اس تحریک کی قوت اور اس پانی کی لطافت اقتضا کرے یہی حالت بلکہ اس سے بہت زائد ہوا میں ہے کہ وہ

ینت ور طوبت میں پانی سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا قرع اول سے کہ ہوائے اول متحرک و متشکل ہوئی تھی اس کی جنبش نے برابر ولی ہوا کو قرع کیا اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنیں۔ اس کی حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا اب اس ہوائے سوم میں مرشم ہوئیں یونہی ہوا کہ حصے بروجہ تموج ایک دوسرے کو قرع کرنے اور بوجہ قرع وہی اشکال سب میں بنتے چلے گئے یہاں تک کہ سوراخ گوش میں جو ایک پٹھا بچھا اور پردہ کھنچا ہے یہ موجی سلسلہ اس تک پہنچا اور وہاں کی ہوائے متصل نے متشکل ہو کر اس پر پٹھے کو بجایا یہاں بھی بوجہ جوف ہوا بھری ہے اس قرع نے اس میں بھی وہی اشکال و کیفیات جن کا نام آواز تھا قائم کی......... اگرچہ جتنا فصل بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج و قرع میں ضعف آتا جاتا ہے اور پٹھا ہلکا پڑتا ہے ولہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف صاف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد پر تموج موجب قرع آئندہ تھا ختم ہو جاتا ہے اور عدم قرع سے اس تشکل کی کاپی برابر والی ہوا میں نہیں اترتی، آواز یہیں تک ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا جس کا قاعدہ اس متحرک و محرک اول کی طرف ہے اور اس کے تمام اطراف مقابلہ میں جہاں تک کوئی مانع نہ ہو جس طرح زمین سے مخروط ظلمی اور آنکھ سے مخروط شعاعی نہیں بلکہ جس طرح آفتاب سے مخروط نوری نکلتا ہے کہ ہر جانب ایک مخروط ہوتا ہے"۔[۲]

توضیح وتبصرہ:

حرارت، روشنی اور بجلی کی طرح آواز بھی توانائی (Energy) ہے قرع (ایک جسم کا دوسرے سے ٹکرانا) یا قطع دو اجسام کا ایک دوسرے جدا ہونا جس ملائے فاضل (Medium) میں واقع ہوتا ہے تو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکیل وتکییف لاتا ہے اسی خاص شکل و کیفیت کا نام آواز ہے۔ گویا امام احمد رضا نے جدید طبیعیات (Modern Physics) ہی کی تھیوری کی طرح اپنا نظریہ بھی پیش فرمایا ہے کہ لہروں یا تموج (wave) کے بننے کا ہی نام آواز ہے اور تموج توانائی کا ایک روپ ہے اور یہ مقام یا نقطہ سے دوسرے مقام یا نقطہ تک توانائی بھیجتے ہیں۔

جدید طبیعیات کا اصول ہے کہ:۔ "Sound is produced by a vibrating body" یعنی آواز مرتعش جسم سے پیدا ہوتی ہے۔اور ارتعاش پیدا کرنے کے لئے قرع (ایک جسم کا دوسرے سے ٹکرانا) اور قلع (دواجسام کا قوت سے ایک دوسرے سے جدا ہونا) ضروری ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد رضا نے بالکل وہی نظریہ پیش کیا ہے جو جدید طبیعیات کی تھیوری ہے۔امام احمد رضا لکھتے ہیں کہ ہوائے گوش سامع نہیں ہے بلکہ ان تشکلات کو اس کی ہوائے گوش میں پہنچانے کے لئے سلسلہ تموج قائم فرمایا۔ یہ لہریں یا تموج چلتی ہوئی سوراخ گوش کے پٹھے تک پہنچی (موجی سلسلہ) اور اسے بجایا اور چونکہ یہاں بھی جوف کیوجہ سے ہوا بھری ہے لہذا قرع کا عمل ہوا اور چونکہ یہاں بھی جوف کیوجہ سے ہوا بھری ہے لہذا قرر کا عمل ہوا اور آواز کان تک پہنچی اور انسان نے آواز سنی یعنی جو بھی آواز یا الفاظ بولنے والے کے ذہن سے خارج ہوئے انہیں سنا۔فاصلہ بڑھنے کے سبب سلسلہ تموج کم ہوجاتا ہے اور ایک مقام ایسا آتا ہے کہ یہ ختم ہو جاتا ہے (لہروں کا بننا Demped harmonic motion) کا عمل ہونا۔ لہذا آواز دوری کے بڑھنے سے ہلکی سنائی دیتی ہے یا بالکل نہیں سنائی دیتی۔امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ "یہ تموج ایک مخروطی شکل (Conical form) پر پیدا ہوتا ہے"

(آواز کی لہروں کے بننے اور سفر طے کرنا کا نقشہ)

شکل (ا) میں ج ح طول موج (Wave length) ہے اور ایک ارتعاش پوری کرنے کی مدت کو time-period کہتے ہیں۔اس نقشہ میں اب اجزاء کی طے کی ہوئی زیادہ سے زیادہ دوری ہے جسے فراخی یعنی Amplitude کہتے ہیں۔

خلاصہ، امام احمد رضا کے نظریہ کے مطابق:

(ا) ملاء فاصل (Medium) اور

(۲) تموج (wave-motion) لازمی ہیں۔

(۳) اگر میڈیم یعنی آب یا ہوا وغیرہ نہ ہو تو آواز نہیں پہنچے گی۔یہی اصول جدید طبیعیات کا بھی ہے۔

اصول جدید طبیعیات کا بھی ہے۔

ایک مقام پر امام احمد رضا تحریر کرے ہیں:

☆ آواز پہنچنے کے لئے ملاء فاضل میں تموج چاہیے۔[۳]

☆ آواز پہنچنے کے لئے مسام (Pore) کی حاجت نہیں البتہ جہاں تموج نہ ہو بذریعہ مسام پہنچے گی۔[۴]

جدید طبیعیات میں بھی اس طرح کی مثال دی گئی ہے کہ ایک جار (Jar) یعنی شیشے کا برتن لے کر اس کے اندر ایک گھنٹی لگا دو اور اسے باہر سے ایک بیٹری (Battery) سے جوڑ دو، باہر آواز سنائی پڑے گی لیکن اگر پمپ کے ذریعہ اس جار کے اندر کی ہوا نکال دی جائے اور ایک دم خلاء (Vacuum) کی صورت پیدا کر دی جائے۔ اب کرنٹ (current) دوڑانے سے آواز نہیں سنائی پڑے گی گو گھنٹی کے بجنے کا احساس ہو گا۔

امام احمد رضا پختہ اور خام عمارت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پختہ اور خام عمارت میں تموج نہیں البتہ منافذ مسام ہیں لہٰذا ان کے ذریعہ آواز اپہنچے گی"۔[۵]

سوال۔(۴): آواز اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "ذریعہ حدوث قلع و قرع ہیں اور وہ آنی ہیں۔ حادث ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہیں اور وہ شکل و کیفیت جس کا نام آواز ہے باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا محلول کے ساتھ رہنا ضروری نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ کاتب مر جاتا ہے اور اس کا لکھا برسوں رہتا ہے یوں ہی کہ زبان بھی ایک قلم ہے"[۶]

امام احمد رضا کا یہ نظریہ بھی جدید طبیعیات کے مطابق ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں:

"انقطاع تموج انعدام سماع کا باعث ہو سکتا ہے کہ کان تک اس کا پہنچنا بذریعہ تموج ہی ہوتا ہے نہ انعدام صحت کا بلکہ جب تک وہ شکل باقی ہے صوت باقی ہے۔

یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ اور تموج حادث ہو تو اس سے تجدید سماع ہو گی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جب کہ شکل وہی باقی ہے"[۷]

آواز کو ٹیپ ریکارڈ یا فوٹو گراف وغیرہ میں بھر لینے سے تموج(wave form) برقرار رہتا ہے گو آواز کا انعدام ہو جاتا ہے اور چونکہ تموج ہی سنوانے کا باعث ہوتا ہے لہٰذا آواز اپنے حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

ٹیپ ریکارڈ یا فوٹو گراف چلانے پر اسی تموج کا حدوث (Production) ہوتا ہے اور اسی سے تجدید سماع ہوتی ہے نہ کہ دوسری آواز پیدا ہوتی ہے۔

سوال(۵): کیا آواز کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان میں پیدا ہوتی ہے؟

جواب میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"ضرور کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے"۸

سوال۔(۶): (آواز) کی آواز کنندہ کی طرف اضافت کیسی ہے وہ اس کی صفت ہے یا کسی چیز کی؟

جواب میں لکھتے ہیں:

"وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف کی صفت ہے۔ ہوا ہو یا پانی وغیرہ مواقف سے گزرا الصوت کیفیتة قائمة بالھوا آواز کنندہ کی حرکت قرعی و قلعی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے"۹

سوال۔(۷): کیا آواز انسان کی موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے؟ کے جواب میں لکھتے ہیں:

"جب کہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے، کمالایخفی"۱۰

خلاصۂ کلام: امام احمد رضا کے نظریات سے واضح ہے کہ:

۱..... آواز توانائی(Energy) ہے۔

۲..... آواز پہنچنے کے لئے ملاء فاصل (Medium) ضروری ہے۔

۳..... اور اس کے لئے تموج(Wave from) چاہیے

۴..... بغیر میڈیم کے تموج نہیں لہٰذا آواز نہ پیدا ہوگی جیسا کہ آئینہ میں یا خلاء (Vaccum) میں جہاں ہوا نہیں!

۵...... ہوا اور پانی دونوں آواز کے میڈیم ہیں۔

خلاصہ کلام: امام احمد رضا کے نظریات سے واضح ہے کہ:

۱...... آواز توانائی (Energy) ہے۔

۲..... آواز پہنچنے کے لئے ملاء فاضل (Medium) ضروری ہے۔

۳..... اور اس کے لئے تموج (Wave from) چاہیے

۴.... بغیر میڈیم کے تموج نہیں لہٰذا آواز نہ پیدا ہوگی جیسا کہ آئینہ میں یا خلاء (Vaccuum) میں جہاں ہوا نہیں!

۵.... ہوا اور پانی دونوں آواز کے میڈیم ہیں۔

کتابیات:

۱..... فتاویٰ رضوی دہم نصف آخر از امام احمد رضا

۲..... الملفوظ (ملفوظات امام احمد رضا) مرتبہ مفتی اعظم ہند

۳.... Modern Physics by S.K. agarwal ۔

مآخذ و مراجع

۱۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہم، نصف آخر ص:۱۲ تا ص:۱۶۔ مطبوعہ بریلی شریف)

۲۔ (فتاویٰ رضویہ جلد، دہم، نصف آکر ص ۱۳، ۱۲ مطبوعہ بریلی شریف)

۳۔ (الملفوظ حصہ اول، مرتبہ مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ، ص ۱۰۴، مطبوعہ میرٹھ)

۴۔ (ایضاً)

۵۔ (ایضاً)

۶۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم، نصف آخر، ص ۱۵)

۷۔ (ایضاً، ص:۱۶)

۸۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، نصف آخر، ص ۱۵)

۹۔ (ایضاً، ص ۱۶)

۱۰۔ (ایضاً، ص ۱۶)

امام احمد رضا اور پانی کی رنگت

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چیئرمین شعبہ پیٹرولیم ٹکنالوجی، جامعہ کراچی۔

امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز عظیم مفسر، محدث فقیہہ، مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سائنسدان بھی ہیں۔ آپ کو سائنس کے تمام علوم وفنون میں کمال مہارت حاصل ہے۔ آپ ہر علم وفن پر اس طرح بحث کرتے ہیں کہ جیسے برسوں سے اس علم کی تحقیق میں مصروف ہیں۔ بحث کے وقت تحقیق کی تمام ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ آپ ماقبل زمانہ کی تمام تحقیق کو پہلے یکجا کرتے ہیں، اس پر بحث کرتے ہیں اگر اقوال میں تضاد ہو تو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی سہو نظر آئے اس کی تصحیح کرتے ہیں، مزید دلائل کے ساتھ اس کو مزین کرتے ہیں پھر اپنی تجاویز، مشاہدات اور نظریات بھرپور دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں یہاں ہم امام احمد رضا کی تحقیق کا ایک نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

مسئلہ یہ تھا کہ: "آپ مطلق کہ وضو و غسل کے لئے درکار ہے اسکی کیا تعریف ہے اور آب مفید کے کہتے ہیں"[۱]

اور آپ نے ایک ضخیم رسالہ بعنوان:

"النور والنورق لاسفار الماء المطلق" ۱۳۲۴ھ

(آب مطلق کا حکم روشن کرنے کے لئے نور اور رونق)

لکھا جو فتاویٰ رضویہ کے 150 صفحات پر، مشتمل ہے۔ آپ نے اس رسالے کو ۵ ابواب پر تقسیم کیا:

(۱) اول جزئیات منصوصہ

(۲) تعریف مطلق و مقید

(۳) ضوابط جزئیہ متون

(۴) ضوابط کلیتہ متاخرین

(۵) جزئیات جدیدہ کے احکام

فصل خاص جزئیات جدیدہ میں امام احمد رضا فقہ کی کتب سابقہ سے ۳۰۷ جزئیات آب مطلق اور آب مقید کا ذکر کرنے کے بعد اپنی معلومات اور مشاہدات کی روشنی میں ۴۳ جزئیات کا اضافہ فرماتے ہیں۔ اسی فصل کے اندر فوائد کے تحت آپ کے بہت سے اقوال موجود ہیں جو آب مطلق و مقید ہونے کے سلسلے میں ہیں۔ وضو وغسل کے سلسلے میں پانی کی تین شرائط ضروری ہیں: اول رنگ، دوم بو، اور سوم ذائقہ، تینوں میں ایک یا تینوں چیزیں پانی میں پائی گئیں تو غسل اور وضو اس پانی سے نہیں ہو سکتا اور تین اوصاف سے صرف پانی کے رنگ سے متعلق امام احمد رضا کے نظریہ اور تحقیق کو یہاں اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ بحث بہت ممکن ہے کہ اختصار کی صورت میں بعض قارئین کو دشواری محسوس ہو تو اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ جلد اول کے مذکورہ صفحات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

یہاں اختصار کے ساتھ پانی کی رنگت سے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ پیش کیا جا رہا ہے:

پانی کی تعریف:

پانی ایک لطیف (سیّال) چیز ہے جو تیزی سے متاثر ہوتا ہے لہٰذا جو چیز پانی کے اوصاف کے خلاف ہو گی وہ مقدار میں پانی کے مساوی ہونے سے قبل ہی پانی پر اثر انداز ہو جاتی ہے اور پانی کے اوصاف

(رنگ، بو، ذائقہ) کی تبدیلی کے لئے پانی کی مقدار (اسی شئے) کے برابر ہونا ضروری نہیں، نیز تبدیلی کا عمل سب سے پہلے پانی کے کمزور وصف (Character) میں ہو گا لہذا جو چیز رنگ اور ذائقہ میں پانی کی مخالف ہو گی وہ پہلے پانی کے رنگ کو اور اس کے بعد ذائقہ کو تبدیل کرے گی۔ لہذا اگر پانی میں ملنے والی چیز صرف رنگ میں مخالف ہے تو پانی پر اس کا غلبہ صرف رنگ کے تبدیل ہونے سے ظاہر ہو جائیگا اور اگر وہ چیز غلبہ کی صورت میں پانی کا رنگ تبدیل نہ کر سکے تو ذائقہ کو ہر گز تبدیل نہ کر سکے گی۔۔۔۔ لہذا جب پانی کا رنگ تبدیل نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک پانی میں تبدیلی کا کوئی سبب نہیں پایا گیا۔۔۔ اور جب تبدیلی کا کوئی عمل ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ چیز مغلوب ہے اور پانی غالب ہے اس لئے تبدیلی کے ظہور کے لئے صرف رنگ کو معیار قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔ ہاں اگر کوئی چیز رنگ میں پانی کی مخالف نہ ہو تو اجزاء میں غلبہ کے باوجود اس کے ملنے پر پانی کا رنگ نہیں بدلے گا تو اس صورت میں ذائقہ کا اعتبار ہو گا۔[۲]

پانی رنگ کے متعلق علماء کا موقف:

بعض علماء کا خیال ہے پانی بے لون (رنگ) ہے اور خود کوئی رنگ نہیں رکھتا۔

احمد بن ترکی مالکی نے "شرح جواہر ذکیہ" میں رنگ سے متعلق یہ تعریف کی ہے:

"پانی ایسا لطیف بہنے والا جوہر ہے جس کا اپنا کوئی رنگ نہیں بلکہ برتن کے رنگ سے رنگدار دکھائی دیتا ہے"۔[۳]

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ ان پر لازم تھا کہ وہ یوں تعریف کرتے کہ اس میں ملنے والی چیز سے رنگ دار ہوتا ہے" اس رسالے کے محشی کے حوالے سے فرماتے ہیں "پانی کے شفاف ہونے کی وجہ سے برتن کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہے جب سبز برتن میں ڈالیں تو سبزی پانی کو نہیں لگتی (یعنی سبز رنگ اختیار نہیں کرتا) بلکہ وہ رقت (صفت) کی بنا پر برتن کے رنگ کے لئے حاجب (آڑ) نہیں بنتا"۔[۴]

امام احمد رضا پانی کے بے رنگ موقف کے سلسلے میں "شرح مواقف" سے بھی ایک حوالہ نقل کرتے ہیں:

"برف شفاف اجزاء سے مرکب ہے اس کا کوئی رنگ نہیں ہے بلکہ وہ پانی کے باریک اجزاء ہیں"

امام احمد رضا اس موقف کی وضاحت بیان کرتے ہوئے اپنا خیال پیش کرتے ہیں کہ شاید کوئی خیال کرے کہ اجزاء باریک ہونے کے باعث کوئی رنگ نہ رکھتے ہوں تو ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"ایسا ہرگز نہیں کیونکہ آپ دیکھتے ہیں کہ بادل کے بخارات میں رنگ ظاہر ہوتا ہے اور یہ رنگ پانی کے اجزاء کا ہی رنگ ہے حالانکہ یہ اجزء برف کے اجزء سے زیادہ باریک ہیں یہی وجہ ہے کہ برف اوپر سے گرتی ہے (اجزاء بخارات سے بھاری ہیں) اور بخارات اوپر کو اٹھتے ہیں۔ باریک اجزاء اگر علیحدہ ہوں تو نظر نہیں آتے تو اس کا رنگ کیسے نظر آئے گا اور چھوٹے اجزاء جب جمع ہوں تو نظر آتے ہیں تو ان کا رنگ بھی نظر آئے گا جیسا کہ بخارات اور دھویں میں"۵

امام احمد رضا پانی کے رنگ کے قائل ہیں اور امام فخر الدین رازی سمیت کئی فقہا کے اس موقف کی حمایت کرتے ہیں کیونکہ پانی کا رنگ دار ہونا، احادیث میں بھی آیا ہے یہاں صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے:

بیشک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کی بو، ذائقہ اور رنگ پر غالب ہو جائے۔۶

اس کے بعد فقہا کے اقوال پانی کے رنگ سے متعلق نقل کئے ہیں یہ بتاتے ہوئے کہ فقہا کا پانی کے رنگ کے بارے میں اختلاف ہے۔

یوسف اسمٰعیل مالکی حاشیہ عشماویہ سے نقل کرتے ہیں:

پانی کو جو رنگ نظر آتا ہے وہ "سفید" ہے اس کی شہادت حدیث سے بھی ملتی ہے جس میں پانی کی صفت میں کہا گیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس حقیقت پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ پانی جم کر جب برف کی صورت میں زمین پر گرتا ہے تو اس کا رنگ انتہائی سفید نظر آتا ہے"۷

امام احمد رضا پانی کے سفید رنگ نہ ہونے پر اپنے استدلال پیش کرتے ہیں:

(۱) پانی کا رنگ سفید نہیں ولہذا آبی رنگ اس کو کہتے ہیں کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو۔

(۲) سفید کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جائے جب تک خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل رہے گا یہ پانی کا رنگ نہیں تو کیا ہے۔

(۳) دودھ جس میں پانی زیادہ ملا ہو سفید نہیں رہتا بلکہ نیلاہٹ لے آتا ہے۔

(۴) بعد انجماد کوئی نیا رنگ پیدا ہونا اس پر دلیل نہیں کہ یہ اس کا اصلی رنگ ہے مثلاً خشک ہونے پر خون سیاہ ہو جاتا ہے۔

بعض فقہانے پانی کا رنگ سیاہ بھی بتایا ہے اور اس پر ایک حدیث سے سند بھی لائے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے میرے بھانجے خدا کی قسم ہم ایک ہلال دیکھتے پھر دوسرا اور پھر تیسرا، دو مہینوں میں تین چاند اور کاشانہ ہائے نبوت میں آگ روشن نہ ہوتی، عروہ نے عرض کی اے خالہ پھر اہل بیت کرام ان مہینوں میں کیا کھاتے تھے؟ فرمایا بس دو سیاہ چیزیں چھوہارے اور پانی" ۸ے

امام احمد رضا اسی حدیث کی روشنی میں پانی کی رنگت سیاہ ہونے کی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ:

"حضرت امام المومنین رضی اللہ عنہا نے کھجور کو غالب قرار دے کر پانی کو سیاہ فرمایا کیونکہ کھجور خوراک ہے اور پانی مشروب ہے اور خوارک کو مشروب پر فضلیت کی وجہ سے کھجور کو پانی پر غلبہ ہے یا اس لئے پانی کو سیاہ فرمایا کہ اس وقت ان کے پانی والے برتن گہرے رنگ دار ہونے کی بناء پر غالب طور پر سیاہ ہوتے تھے۔" ۹ے

آخر میں پانی کے حقیقی رنگ سے متعلق اپنے مشاہدات ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"حقیقت امر یہ ہے کہ پانی خالص سیاہ نہیں مگر اس کا رنگ سپید بھی نہیں بلکہ میلا مائل گونہ سواد خفیف ہے اور وہ صاف سپید چیزوں کے بمقابل آکر کھل جاتا ہے جیسا کہ ہم نے سفید کپڑے کا ایک حصہ دھونے اور دودھ میں پانی ملانے کی حالت بیان کی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم" ۱۰ے

الحاصل امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے نزدیک پانی نہ خالصتاً سیاہ ہے اور نہ دودھ کی طرح سفید بلکہ ہلکا سیاہی مائل ہے جس کو Grey رنگ کہا جا سکتا ہے اور عام طور پر پانی کو Colorless یعنی بے رنگ

سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کوئی نہ کوئی رنگ ضرور ہے اور امام احمد رضا کی تحقیق اس کو سیاہ اور سفید کے درمیان ثابت کرتی ہے لہذا، پانی کا رنگ ہے اور یہ رنگ ہلکا سرمئی بھی کہا جا سکتا ہے۔[۱۱]

مآخذومراجع

۱۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص ۴۰۷، مکتبہ رضویہ کراچی۔

۲۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم (جدید) ص ۲۲۹۔۲۳۰، لاہور۔

۳۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔

۴۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔

۶۔ ابن ماجہ۔

۷۔ فتاویٰ رضویہ (جدید) ص ۲۳۸، جلد ۲۔

۸۔ صحیحین، ص ۱۴۳۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۴۴۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۱۱۔ ماخوذ، فتاویٰ رضویہ اول، صفحہ ۴۰۷ مطبوعہ، کراچی۔

امام احمد رضا خاں ایک موسوعاتی سائنسداں

پروفیسر جمیل قلندر

قرآن حکیم نے انسانی ذات، خارجی کائنات اور خالق کائنات سے متعلق ایک نئے اسلوب بیان اور انداز فکر کی داغ بیل ڈالی، جیسے آج کل کی اصطلاح میں Holistic یا Interdisciplinary Approach کہتے ہیں۔ اس کی رو سے بزم ہستی کی مختلف اور متنوع اشیاء کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے کی بجائے ان کو ایک دوسرے کے مشترکہ تناظر میں دیکھتے ہیں، قرآن حکیم کے بعد دو شخصیتیں قابل ذکر اور لائق توجہ ہیں۔ جنہوں نے خالص دینی پلیٹ فارم سے اس قسم کے بین الموضوعاتی اور کلیاتی موقف اپنا کر اس کی تعلیم دی۔ ایک شخصیت مبارکہ تو حضرت امام علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی قدر ہے، جن کا کم و بیش مجلدات پر مشتمل کلام انفس و آفاق کے ہر گوشے پر محیط ہے اور علم و معرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، اور دوسری شخصیت برگزیدہ حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے اس قسم کے انداز فکر کو نہ صرف آگے بڑھایا، بلکہ اسی کے مطابق

سائنسدانوں، فلسفیوں، علماء اور فقہاء کی ایک پوری نسل تیار کی جس میں آپ کے ایک ہونہار شاگرد امام ابو حنیفہ بھی ہیں، جن کا اپنے استاد کی شان میں یہ قول ضرب المثل بن چکا ہے:

"لَولاَ سَنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ"

"اگر میری عمر کے وہ آخری دو سال نہ ہوتے جو میں نے اپنے استاد امام جعفر صادق کے تلمذ میں گزارے ہیں، تو یہ نعمان کبھی کا ہلاک ہو چکا ہوتا"

خالص دینی پلیٹ فارم سے ہٹ کر خالص علمی، سائنسی اور فلسفیانہ میدان میں یہ انداز فکر مسلمان سائنسدانوں، فلسفیوں، متکلمین۔ موّرخین، علماء اور فقہاء کا طرّۂ امتیاز رہا، جن میں سے ہر ایک فرد نے ایک حیرت انگیز انسائیکلوپیڈیائی (Encyclopedic) ورثہ نوع انسانی کے لئے چھوڑا ہے۔

دنیائے مشرق کے زوال وانحطاط کے بعد سستی، کاہلی، کام چوری اور سہل انگاری عام ہو گئی اور اس کے ساتھ وہ انسائیکلوپیڈیائی روح جاتی رہی اور پھر وہ وقت آیا کہ اہل مغرب کی تقلید میں یہاں کسی ایک شعبۂ علم و فن میں تخصّص (Specialization) کے رجحان نے لے لی اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص کسی ایک شعبۂ علوم و فن میں ماہر تو ہو گا مگر دوسرے متعلقہ یا غیر متعلقہ (مگر بے حد مفید اور اہم) شعبہ ہائے علم و فن سے بالکل کور اور بے خبر ہو گا۔

انسائیکلوپیڈیائی دور کی طرف از سر نو مراجعت:

حال ہی میں ارباب تحقیق پر جب نرے تخصّص (Specialization) کی خامیاں اور ناکامیاں کھل گئیں تو انہوں نے کوششیں شروع کیں کہ عہد رفتہ کی اس انسائیکلوپیڈیائی اسپرٹ کو پھر سے زندہ کیا جائے، جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں (Interdisciplinary) یا Holistic Approach کہتے ہیں۔ تقسیم پاک و ہند سے پہلے ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خاں بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً وہ واحد شخصیت نمودار ہوئے، جنہوں نے نرے سپیشلائزیشن کی روش سے ہٹ کر علوم و فنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی، موسوعاتی، انٹر ڈسپلینری اور ہولسٹک رویہ اپنایا، جو مشرق کے قدیم سائنسدانوں، فلسفیوں، علماء، فقہاء اور موّرخین کا وتیرہ اور معمول رہا ہے۔

علامہ امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار تصانیف، حاشیوں، اور شرحوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو ایک اندازے کے مطابق ستر علوم وفنون پر محیط ہے۔ اور دوسرے اندازے کی رو سے موضوعات کی یہ تعداد سو سے بھی زیادہ ہے، جن میں ایک ریاضیات بھی ہے، جس پر علامہ امام احمد رضا بریلوی کی ۲۷ تصنیفات کتابوں مقالوں اور حاشیوں کی شکل میں موجود ہیں۔

تحقیق واجتہاد میں استقراء اور ریاضیاتی وھندسی طریقۂ استدلال کا استعمال:

علامہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنی تحقیقات واجتہادات کی بنیاد خالصۃً استقراء یعنی ذاتی تجربے اور مشاہدے پر رکھی اور اس میں استدلال کا طریقہ قطعی طور پر وہی اپنایا جسے ریاضیاتی وہندسی طریقۂ استدلال (Mathematical and Geomatrical method of Argumentation) کہتے ہیں یہ اس لئے کہ علامہ امام بریلوی ایک سائنداں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ریاضی داں بھی تھے۔

ریاضیات کے میدان میں:

پانچویں صدی کے برصغیر سندھ وہند میں البیرونی کی تحقیقات ہی سے ریاضیات میں اقلیدس کی جیومیٹری اور فلکیات میں زیجات (Geometrical tables) کے مطالعہ کا آغاز ہوا اور جو فاضل محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی فاضلانہ رائے میں " علامہ بریلوی کی باقیاتِ صالحات پر ختم ہوا" جن کی ادنی سی جھلک ان کی "تحریر اقلیدس" میں دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ زیجات کے مسائل سے متعلق ان کے مطالعے اور فہم وادراک کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شیخ الطائفہ نصیر الدین طوسی کی تیار کردہ "زیج ایلخانی" اور برصغیر سندھ وہند کے ماہر فلکیات غلام حسین جونپوری کی "زیج بہادر خانی" پر فاضلانہ اور محققانہ حاشیے تحریر کئے۔ ریاضیات کے موضوع پر علامہ امام بریلوی نے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۲۷ تصنیفات چھوڑی ہیں۔

طبیعات کے میدان میں:

طبیعات کے موضوع پر علامہ امام بریلوی کی تحقیقات اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی ہیں۔ مثلاً آواز کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ آواز جب ہوا میں سفر کر رہی ہوتی ہے، تو بے آواز ہوتی ہے، پھر (ان کے الفاظ میں) "اس کی کاپیاں چھپتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں، اس کو آواز کا سننا ہی کہا جاتا ہے"

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فاضل بریلوی کی اس نفیس تحقیق کی رو سے انسان جب کلام کرتا تو اس کے منہ میں ایک خاص قسم کی شکل اور ایک کیفیت مخصوصہ پیدا ہوتی ہے جسے آواز کہتے ہیں۔ اس آواز کی کاپیاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور ہوا کی موجوں میں تیرتی ہوئی سینکڑوں لوگوں تک پہنچی ہیں۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہزاروں آوازیں تھیں بلکہ کہتا ہے کہ ایک آواز تھی جس کو سب لوگوں نے سنا، کیونکہ وہ اسی آواز کی امثال اور اس کے مشابہ شکلیں ہوتی ہیں جو ہزاروں کانوں تک پہنچتی ہیں اور وہ تمام شکلیں اور کاپیاں ایک ہی آواز کہلاتی ہیں، حتیٰ کہ صدائے بازگشت بھی اس کی اصل آواز ہے اور جو ٹیپ ریکارڈ اور فونوگرام میں ٹیپ ہے وہ بھی اصل آواز ہے" روشنی کے بارے میں علامہ امام بریلوی کے مشاہدات قابل توجہ ہیں۔ علم بصریات (Optics) میں **انعطاف نور** (Refraction of light) اور **انعکاسِ نور** (Refelection of light) دو اہم تصورات ہیں۔ انکسارِ نور / انعطاف نو کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معمول سے زیادہ ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کمی بیشی لاتی ہے، جس کا ادراک تھرمامیٹر سے ممکن ہے اور وہ قبل از وقوع نہیں ہو سکتا، مگر یہ تفاوت غیر اہم ہے۔۔۔ کوکب جب تک ٹھیک سمت الرائس نہ ہو انکسار کے نیچے سے نہیں چھوٹ سکتا مگر مشاہدہ نے انکسار افقی کلی بتایا، اور تناسب سے انکساراتِ جزئیہ تدرک ہوئے، جن کے جدول فقیر نے اپنی تحریراتِ ھندسیہ میں دی ہے۔ اس کے ملاحظہ سے پھر انہی قوانین نے راہ پائی اور ہر دن کے لئے وقت عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا آسان ہوا"

علاوہ ازیں، 'فوز مبین در رد حرکت زمین" کے عنوان سے علامہ امام بریلوی نے ایک کتابچہ لکھا ہے، جس میں زمین کی حرکت کے رد پر کل اکسٹھ (۶۱) دلائل دیے ہیں۔ مقالہ نگار موصوف کی نظر سے پوری کتاب نظر سے نہیں گزری، امام احمد رضا نے ۱۰۵ دلائل دیے ہیں (ادارہ)۔ ان میں ایک دلیل جو زمانہ قدیم سے چلی آئی ہے، یہ بھی ہے کہ اگر کسی خاص جگہ سے کوئی وزنی شے سیدھی عموداً اوپر پھینکی جائے، تو وہ دوبارہ ٹھیک اسی جگہ پر آگرتی ہے، جبکہ زمین کی حرکت کی صورت میں وہ اس جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ گرتی۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں البیرونی کے ایک ہم عصر سائنسدان ابو سعید احمد

بن محمد بن عبدالجلیل نے اس مفروضے کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر آزما کر دیکھا کہ پھینکی ہوئی وزنی شے فی الواقع نشان زدہ جگہ سے ہٹ کر آگرتی ہے اور یوں اس نے زمین کی حرکت کو ثابت کیا۔

اقتصادیات کے میدان میں:

اقتصادیات کے موضوع پر "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" اور "تدبیر فلاح و نجات واصلاح" کے عنوان سے علامہ امام بریلوی کے دو کتابچے منظر عام پر آچکے ہیں جو رہنما معاشی تصورات (Key Economic Concepts) پر مشتمل ہیں۔

- علاوہ ازیں ناپ تول کے پیمانوں اور کرنسی نوٹوں کی قیمت صرف سے متعلق، دقیق ولطیف ریاضیاتی تجزیے کی بنیاد پر، آپ کی تحقیقات ومباحث بڑی محیر العقول ہیں۔

فلسفے کے میدان میں:

علامہ امام بریلوی نے، فلسفے کے موضوع پر، "الکمۃ الملھمۃ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں کل اکتیس (۳۱) مسائل زیر بحث آئے ہیں جبکہ اس سے پہلے غزالی کی کتاب "تہافت الفلاسفۃ" میں صرف بیس مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اس ضمن میں شبیر احمد غوری کے ایک محققانہ مقالے کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے علامہ امام بریلوی کی کتاب "الکمۃ الملھمۃ" عصر حاضر کی "تہافت الفلاسفۃ" ہے۔

فقہ کے میدان میں:

فقہ کے موضوع پر علامہ امام بریلوی کی کتاب "فتاویٰ رضویہ" جو ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ۱۲ جلدوں کی ہر جلد جہازی سائز کے ہزار صفحات پر مشتمل تھیں اور ان میں تخریج و تحشی کا کام نہ تھا، رضا فاؤنڈیشن لاہور اب تک فتاویٰ رضویہ کی ۳۳ جلدیں مع تخریجات، ترجمہ عبارات (عربی، فارسی) اور حاشیہ شائع کر چکا ہے۔ ہر جلد تقریباً ۸۰۰/۹۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ریاضیاتی، ھندسی، فلسفیانہ، سائنسی، علمی اور فقہی طریقہ استدلال پر مبنی معلومات کا ایک شاہکار انسائیکلوپیڈیا ہے۔اس کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیاء اپنے ایک فاضلانہ اور محققانہ مقالے میں میں لکھتے ہیں۔ "فقہ حنفی کے تحیر خیز

خزانہ " فتاویٰ رضویہ " کے مصنف امام احمد رضا ایسے عظیم حنفی فقہاء سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے مسائل فقہ میں ریاضی کے استعمال میں خصوصی مہارت کا اظہار کیا، اور فقہی فکر میں سائنسی بنیاد فراہم کی"۔۔۔۔اور اب ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی یہ رائے بھی سنئیے:

"ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی ہے۔ اوران کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جدت طبع، کمال ثقاہیت اور علوم دینیہ میں تجر علمی کے شاہد عادل ہیں۔۔۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں لہذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتیں تو مولانا احمد رضا گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے"

ماوراء الطبیعات (Metaphysics) کے میدان میں:

سترحویں صدی کے اختتام پر، اور اٹھادیں صدی کے آغاز میں مغرب میں چند سطحی اور ظاہر بیں اسالیب فکر نے جنم لیا، جنہوں نے بعد میں جاکر ایک مستقل فلسفے کی شکل اختیار کی۔ یہ فلسفہ ظواہریت (Phenomenologism) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس فلسفے کے ساری تحقیق کا نچوڑ یہ ہے، کہ انسان علم و تحقیق میں چاہے جتنا آگے بڑھتا جائے اوپر چڑھ جائے اور نیچے گہرائیوں میں اتر جائے، وہ اپنے محسوسات کے دائرے سے نہیں نکل سکے گا، بلکہ اس کے اندر محصورر ہے گا۔ انگلستان میں لوک، ہوبز اور ھیوم جیسے فلسفیوں نے اس کی داغ بیل ڈالی اور جرمنی میں عمانویل کانٹ نے اس کو اپنی منطقی انتہاء تک پہنچا دیا۔ کانٹ کی رائے میں انسان اشیاء کے صرف ظواہر کو جان سکتا ہے، پر ان کی حقیقت، اور کنہ، ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا، بالفاظ دیگر، وہ بزم ہستی کے ظواہر (Phenomena) کے پیچھے "غیب کی دنیا" کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اس طرز فکر نے آگے چل کر اس سے زیادہ خشک، بے جان اور بانجھ فلسفوں کو جنم دیا۔ مثلاً، مادیت (Materialism)، واقعیت (Realism) تجربیت (Empiricism)، الحادی وجویت (Existentialism) اور منطقی ایجابیت (Logical positivism) وغیرہ۔ ان سب کا متفقہ موقف کم وبیش یہ

یا کہ اول تو غیب کی دنیا کا سرے سے وجود نہیں ہے، اور اگر بالفرض ہے بھی تو انسان کو اس کا علم نہیں
ہو سکتا یہی وہ موقف ہے جس کے قائل لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے:

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۔ (سُورۃُ النّمل، آیت نمبر ۶۶)

"نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ غیب کی دنیا کے بارے میں ان کے علم کی پونجی ختم ہو گئی، بلکہ یہ تو اس کے متعلق شک میں ہیں نہیں بلکہ یہ اس سے کورے اندھے ہیں"

مشرق ان فلسفوں کی یلغار سے متاثر ہوئے بغیر کب رہ سکتا تھا، یہاں تو پہلے ہی اس قسم کی ظواہریت کا طوفان گزر چکا تھا۔ جس سے ابن تیمیہ جیسے دماغ شعوری اور لاشعوری طور پر اس قدر متاثر اور مسحور ہو گئے کہ انہوں نے بھی عمانویل کانٹ کی طرح ظواہریت پر مبنی لاَاَدرِیّت (Agnostixism) کا رویہ اپنا کر یہ کہنا شروع کیا کہ غیب کی دنیا انسان کی حیطۂ علم وادراک سے باہر ہے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ قرآن حکیم نے اپنی دوسری سورت کے آغاز ہی میں متقین کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ "الذین یومنون بالغیب" جو غیب میں ایمان رکھتے ہیں اور جہاں تک "ایمان کی حقیقت" کا تعلق ہے تو حضور رسالت مآب ﷺ نے "حقیقت ایمان" اور امام علی کرم اللہ وجہہ نے "حقائق ایمان" کے مفہوم کے حوالے سے اپنے فرمودات میں ایمان کی تعریف میں غیب اور مغیبات کے علم وادراک کو سرفہرست قرار دیا ہے اور علامہ سلیمان درانی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ غیب کی دنیا کا مشاہدہ ایمان کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

دنیائے فکر اسلامی میں شیخ سید عبد القادر جیلانی محی الدین ابن عربی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ شاہ شرف الدین بو علی قلندر، اخوان الصفاء، غزالی، شیخ شہاب الدین یحییٰ سہروردی، عراقی، جلال الدین دوانی، شیخ الطائفہ نصیر الدین طوسی، محمود شبستری، سنائی، عطار، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی، اور علامہ محمد اقبال (رحمہم اللہ تعالی) جیسے نابغۂ روزگار صاحبانِ دل ودماغ کے بعد دیگرے فکر ووجدان کے اسٹیج پر نمودار ہوئے اور انہوں نے عقل ونقل روایت ودرایت اور تجربۂ ومشاہدہ کی بنیاد پر اسی قسم کی ظواہریت کے منطقی، علمی، اور نفسیاتی مغالطوں کو بے نقاب کیا۔

تقسیم پاک و ہند پہلے ہندوستان میں اور خود سرزمین حجاز میں اسی ظواہریت اور اس سے پیدا شدہ دوسرے خشک، بے مغز و بے جان، اور بانجھ فلسفوں نے بڑے بڑے نابغۂ روزگار دماغوں کو متاثر کیا، جن میں سر سید احمد خان اور شیخ عبدالوہاب نجدی سر فہرست ہیں۔ اول الذکر کی طرف قرآن حکیم کی تفسیر میں نیچریت (Naturalism) کا متشددانہ رویہ، اور ثانی الذکر کی طرف سے توحیدیت کے بل بوتے پر غیب کی دنیا کے بارے میں وہی لاأدْرِيَّتْ(Agnosticism) کا مسلک دونوں اس قدیم و جدید ظواہریت کی صدائے بازگشت اور فوٹو کاپی ہیں۔

روس میں مارکس اور لینن کا نہایت منظّم جدلی فلسفہ اور اس پر مبنی اشتراکی نظام کا عظیم الشان منصوبہ اس لئے ناکام ہوا، کہ اس کی بنیاد ہی اس ظواہریت اور مادیت پر رکھی گئی تھی، جو عقل و فکر تصور و تخیل، توہم و تجسس، وجدان والہام اور تحقیق و تخلیق کی وسعتوں، بلندیوں اور گہرائیوں سے قطعاً نا آشنا تھی۔

اس سے پہلے کہ ہم یہاں اس بحث میں داخل ہو جائیں کہ ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خان غالباً وہ پہلا نابغۂ روزگار ذہن ہے جس نے اس قسم کی ظواہریت، مادیت، اور حسیت پر مبنی لاأدْرِيَّتْ کے مضمرات(Implications) کو نہ صرف بھانپ لیا، بلکہ اس کے منطقی اور علمی مغالطوں کی نشاندہی کرنے کو اپنا مشن اور اوڑھنا بچھونا بنایا، یہ مناسب ہو گا کہ اس گفتگو کے لئے ایک ضروری اور مختصر سا تمہیدی پس منظر مہیا کیا جائے۔

اگرچہ کرۂ زمین پر علماء محققین کے نزدیک کئی عظیم الشان سائنسی ادوار آئے اور گزرے ہیں، جو عروج(Climax)اور زوال (Anticlimax) کے قدرتی عمل سے گزر چکے ہیں، عصر حاضر ہمارے لئے اس لئے اہم اور توجہ طلب ہے کہ ہم خود اس میں سانس لے رہے ہیں۔ اس عصر میں جہاں سائنس اور ریاضیات کم و بیش فلسفہ بن چکی ہیں، وہاں نفسیات نے باطنی علوم(Occoult Sciences) کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ اس سے انسانی دماغ اور ذہن کے کئی ایسے گوشے سامنے آئے ہیں جنہوں نے نہ صرف تجرباتی طریقہ کار(Empirical Methodology) کے خوگر اور دلدادہ سائنسدانوں کو چونکا دیا، بلکہ صحافت اور فوجی

امور کے ماہرین کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس قسم کا صحافی اور فوجی امور کا ماہر Larry Collins بھی ہے جو اپنے مشہور ناول Maze کے ایک روسی کردار کی زبان سے ہمیں یہ سناتا ہے کہ:

"انسانی دماغ اس کرۂ زمین پر سب سے زیادہ پیچیدہ مشینری ہے پہلے تو یہ ملاحظہ کیجئے کہ اس کا اندرونی مواد ۱۵ بلین عصبی خلیوں پر مشتمل ہے۔ جتنے لوگ اس کرۂ زمین پر رہتے ہیں ان سے کہیں زیادہ خلیے انسانی دماغ میں ہوتے ہیں۔ ہر خلیہ ایک ننھی سے لیبارٹی (Mini lab) ہوتی، جو ہمہ وقت مسلسل کام کررہا ہوتا ہے۔ اکثر لوگ کمپیوٹر اور انسانی دماغ کا آپس میں موازنہ کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے، دماغ کے اندر کوئی بھی حادثہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے سے زیادہ تیز رونما نہیں ہوتا۔ اس کا موازنہ اس رفتار کے ساتھ جس میں موجودہ کمپیوٹر معلومات Process کرتے ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے ایک پیدل چلتے ہوئے آدمی کا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ بہر حال دماغ کا ہر نیورن (Neuron) کا موازنہ شاید ایک کمپیوٹر کے مرکزی کنٹرول یونٹ کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ بیشتر کمپیوٹر میں اس قسم کا صرف ایک یونٹ ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے ایسے ہیں جن میں پانچ یا چھ یونٹ ہوتے جبکہ انسانی دماغ اس قسم کے ۱۵ بلین یونٹ ہوتے ہیں یہ صورت حال انسانی دماغ کو ایک ایسی متوازی پروسنگ صلاحیت دیتی ہے جو کسی بھی ایسے کمپیوٹر سے، جو انسان کے وہم و گمان میں آسکتا ہے اتنی زیادہ ہے کہ ہم اس پر قادر نہیں کہ اس کو سمجھنے لگ جائیں"

مطلب یہ کہ انسانی دماغ کی استعداد و صلاحیت کمپیوٹر کی قوت سے ناقابل بیان و ادراک حد تک۔ لامتناہی طور پر زیادہ ہے، اور وہ بھی اس کمپیوٹر سے جس کے ایک ننھے سے قرص (Mini Disc) میں، جو انسانی ناخن پر آسکتا ہے، دنیا کی سب بڑی لائبریری۔ امریکن کانگرس لائبریری میں سمودی گئی ہے اور اب یہ کوشش ہورہی ہیں کہ اس کو مزید گھٹا اور سمٹا کر ایک ایسے ہندسی نقطے پر لایا جائے، جس کی قوت ہضم مذکورہ کمپیوٹر منی ڈسک سے کئی گنا زیادہ ہو۔ اس سے آپ انسانی دماغ کی قوت و صلاحیت کا اندازہ لگائیے جس کے اندر ۱۵ بلین پر اسنگ یونٹ ہوتے ہیں انسانی دماغ کی یہی وہ حیرت انگیز قوت و صلاحیت ہے جس طرف اشارہ کرتے ہوئے امام علی کرم اللہ وجہہ یوں فرماتے ہیں:

وَتَحْسَبُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ وَأَنتَ الْكِتَابُ الْمُبِيْنَ الَّذِىْ بِأَحْرُفِهٖ يُظْهِرُ الْمُضْمَرُ

یعنی" تو گمان کرتا ہے کہ ایک چھوٹا سا ذرہ ہے جبکہ تیرے اندر پوری کائنات سمو دی گئی ہے اور تو ہی وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف میں پوشیدہ حقائق آشکارا کئے جاتے ہیں"۔

یہی وہ راز ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے:

1۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِىْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ

(ہم نے ہر شے کا احصاء ایک امام مبین کے اندر کر رکھا ہے)

2۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا

(ہم نے ہر شے کا احصاء ایک کتاب، ایک کمپیوٹر ایک رجسٹر کے اندر رکھا ہے)

3۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

(اس نے آدم کو سب کے سب اسماء سکھا دئے اور اس کی روح کے اندر سارے کے سارے "اسماء" کا علم Feed کیا)

گویا" آدم" حریم ربوبیت کا ایک ایسا سپر کمپیوٹر ہے، جس میں علم الاسماء کی اتنی لامتناہی مقدار Feed کر دی گئی جس کی بدولت وہ ملائکہ کا مسجود بن گیا۔

یہ تو آدم علیہ السلام کا مقام تھا، اور وہ جن کی خاطر آدم علیہ السلام کو ہراول دستہ کے طور پر بھیجا گیا اور جس کے نور کو انبیاء و رسل کی اصلاب میں تقلب و تحوّل کے کئی مراحل سے گزار کر، جوہر لطیف کی طرح کشید کیا گیا، اس ذاتِ عالی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم و معرفت کی وسعتوں، گہرائیوں اور بلندیوں کا کیا حال ہو گا اور اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

یہی وہ نکتہ ہے جسے علامہ امام بریلوی نے اپنی مشہور تصنیف "الدولة المكية بالمادة الغيبية" میں اس حسن و خوبی کے ساتھ بجھایا اور سمجھایا ہے، جس کو پڑھ کر عرب و عجم کے مشاہیر علماء اور فضلاء نے اس پر تقاریظ لکھ کر اس کے مصنف کو خراج تحسین پیش کیا۔

امام احمد رضا کی طبی بصیرت

حکیم محمد سعید دھلوی

مولانا کی شخصیت بہت جامع تھی وہ اپنے تفقہہ اور علم و اطلاع کی وسعت کے اعتبار سے علمائے متاخرین میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے انہوں نے اکثر علمی اور دینی موضوعات پر اہم اور قابل قدر کتابیں لکھی ہیں لیکن جو تحریریں ان کی شخصیت کی مکمل ترجمانی اور آئینہ داری کرتی ہیں وہ ان کے فتاویٰ ہیں کہ جو متعدد مبسوط اور ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب و معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہا میں نظر آتی ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور سنن نبویہ کی تشریح و تعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کے لئے قدیم فقہا جملہ علوم و سائل سے کام لیتے تھے، اور یہ خصوصیت مولانا کے فتاویٰ میں موجود ہے آج بھی افتاء اور احکام کی تشریح کرنے والوں کا یہ فرض ہے کہ اسی اصول تحقیق کو اپنے پیش نظر رکھیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کتاب و سنّت نے جس نظام حیات کی طرف ہماری رہبری کی ہے اور جو ضابطہ ہمیں عطا کیا ہے وہ مکمل اور دائمی ہے، اس کے دوام اور اس کی ہمہ گیری کا

تقاضا یہ ہے کہ فقہا کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دینے سے پہلے ایک لفظ کی تحقیق اس طرح کرلیں اس کہ مدلول واضح ہو جائے اور کسی عہد میں تشنگی کا احساس نہ ہو ایسی تحقیق کے لئے ہمیں طبی اور سائنسی علوم کا بھی مطالعہ کرنا ہوگا ورنہ احکام کی وسعت اور دین کی حکمت کا اندازہ دشوار ہوگا قرآن پاک میں تیمم کے لئے "سعید" کا لفظ وارد ہوا ہے جسے مٹی کہتے ہیں مگر مٹی اور جنس ارض کا اطلاق جن جن چیزوں پر ہوتا ہے ان کا تعیّن علمائے طبیعیات و طب کو نظر انداز کر کے نہیں کیا جا سکتا۔

فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے میں مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبّی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقّق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں ان کے اس تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

مولانا نے مٹی اور جنس ارض نیز احجار کی تحقیق کے سلسلے میں صرف متقدمین کی تصریحات پر تکیہ نہیں کیا بلکہ ازروئے دیانت علمی احجار و معدنیات اور طب و کیمیا کے مستند علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جس سے تحقیق کا صحیح انداز ہو سکتا تھا، اس لئے کہ کسی شے کی حقیقت و ماہیت ہمیں اس کے ماہرین ہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک چیز عرف عام میں یا اپنی ظاہری صورت میں پتھر معلوم ہوتی ہو، لیکن اس کی یہ خصوصیت اس کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں اور جب تک ان کو حوالہ نہ دیا جائے اس سے تیمّم کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ ہمیشہ محلّ نظر ہوگا۔ فاضل بریلوی ماہرین فن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً کہربا جو بظاہر پتھر معلوم ہوتا ہے، مولانا نے اس کی ماہیت ابن سینا اور القافقی جیسے محققین طب سے معلوم کی۔ اس کے بعد فتویٰ دیا کہ یہ پتھر نہیں ہے اس سے تیمّم درست نہیں سنگ بصر کے سلسلے میں بھی انہوں نے اسی طرزِ تحقیق سے کام لیا اور رازی کے حوالے سے یہ بتایا کہ یہ پتھر نہیں سیسے کا دھواں ہے، اس سے تیمّم نہیں کیا

جا سکتا اسی طرح ابرک چکونہ معدنیات سے ہے اس لئے اس کی ماہیت بھی متعدد اکابر علمائے طب سے معلوم کی اور ان میں ویسقوایدوس، داؤد، انطاکی، رازی، ابن البیطار اور صاحب مخزن جیسے محققین طب ہیں ان کی کتابوں کے مکمل حوالے ہیں اور ابرک کی حقیقت وماہیت کے ساتھ ان کی اقسام پر مکمل بحث ہے اس طرح ان کے فتاویٰ میں وسعت اور گہرائی کے ساتھ دینی ودنیاوی علوم کا حسن امتزاج ملتا ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک محقق کے لئے یہ بات کہاں تک درست ہوسکتی ہے کہ وہ علمائے طب کی تصریحات پر آنکھ بند کر کے انحصار کر لے تو میں یہ عرض کروں گا۔ یقیناً یہ اصول تحقیق کے خلاف ہے لیکن یہ بھی عرض کروں گا کہ مولانا اس نکتے سے واقف ہیں اس لئے اطبائے کرام کی تصریحات کا مطالعہ بھی وہ انتقادی نظر سے کرتے ہیں ارسطو نے زجاج کو پتھر کہا اب مولانا کا تعقب ملاحظہ کیجئے:

"ارسطو زجاج وبلّور میں فرق نہیں کر سکا اس لئے وہ بلور کو بھی زجاج ہی کہتا رہا حالانکہ ان میں سے ایک معدنی ہے ایک مصنوعی اور ان دونوں کی ماہیت میں فرق ہے"

پھر ابن البیطار اور مخزن کے حوالے پیش کئے ہیں۔

ایک مثال اور ملاحظہ فرمالیجئے: فقہ کی تمام کتابوں میں جن پتھروں سے تیمّم کو جائز کہا گیا ہے ان میں ایک نام البلخش بھی ہے مولانا لکھتے ہیں:

"کتب لغت حتیٰ کہ قاموس محیط میں اس لفظ کا پتا نہیں نہ تاج العروس نے اس سے استدراک کیا نہ جامع ابن بیطار نہ داؤد انطاکی، و تحفہ و مخزن میں اس کا ذکر عجب یہ کہ کتاب معرب میں بھی اس سے غفلت کی۔ مگر انوار الاسرار میں اس کا تذکرہ نظر آیا (ترجمہ) بلخش ایک پتھر ہے جو اطراف مشرق میں سونے کی کان میں ہوتا ہے اس کا رنگ یاقوت احمر کا ہوتا ہے اور یہ یاقوت سے زیادہ شفاف ہوتا ہے یہ تعریف لعل پر صادق آتی ہے مگر سونے کی کان میں پیدا ہونا ظاہراً اس کے خلاف ہے۔

مولانا کی طبی بصیرت اور ان کی وقت نظر کا اندازہ مرجاں کی تحقیق سے بھی ہوتا ہے مرجاں کی حقیقت وماہیت معلوم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دس مستند فقہی کتابوں میں تو اس سے تیمّم کے جواز کی صراحت ملتی ہے مگر فتح اور درمختار میں اس سے تیمّم کی ممانعت آئی ہے۔

مولانا نے یہ محسوس کیا کہ آخر الذکر فقہا نے مرجاں کی حقیقت وماہیت دریافت کرنے کی کوشش نہیں فرمائی اور ان مآخذ کی طرف رجوع نہیں کیا جن سے مرجاں کے بارے میں مستند معلومات حاصل ہو سکیں فقہا بڑی حد تک لغتوں میں اُلجھ گئے اور نزاع لفظی کے شکار ہو گئے اگر مرجاں کی ماہیت کے لئے کتب طبیہ کی طرف رجوع کیا جاتا تو جواز اور عدم جواز کی متنازعہ صورت حال واقع نہیں ہوتی۔ مولانا نے مرجاں سے جواز تیمّم کا فتویٰ دیا اور اس کی ماہیت پر طبّی کتابوں کی مدد سے مبسوط روشنی ڈالی سب سے پہلے مخزن کے حوالے سے لکھا کہ:

مرجاں ایک جسم حجری ہے جو شاخ درخت سے مشابہ ہوتا ہے پھر تحفہ کے حوالے سے لکھا کہ مرجاں بسد کو کہتے ہیں اور وہ ایک پتھر ہے جو نباتی قوت کے ساتھ دریا کی گہرائی میں پیدا ہوتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ: علامہ ابن الجوازی مرجاں کی عالم نبات اور عالم جمادات کی درمیانی چیز تصور کرتے ہیں دواؤد انطاکی کا خیال بھی یہی ہے کہ وہ نباتی اور حجری اشیاء کی درمیانی چیز ہے۔

مولانا نے اطبا کے ان اقوال میں تطبیق کی ایک اچھی صورت نکالی ہے فرماتے ہیں جس طرح کھجور کو کہنا کہ وہ عالم نبات اور عالم حیوانات میں متوسط ہے نرومادہ ہوتی ہے اور مادہ جانب نر میل کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہے۔ تلقیح سے باردر ہوتی ہے اسے بنات سے خارج اور حیوانات میں داخل نہیں کرتا اسی طرح مرجاں کو نباتات سے مشابہت کے باوجود اسے احجار سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اس استدلال کے بعد واضح انداز میں مولانا نے لکھا ہے کہ اصحاب احجار نے اس کے حجر ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے حجت شجری کہا، شجر حجری کسی نے نہیں کہا مفردات ابن ابیطار میں بہ حوالہ ارسطو منقول ہے: بسذ و مرجاں ایک ہی پتھر ہیں، فرق یہ ہے کہ مرجاں اصل، اور بسذ فرع ان تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکثر فقہائے کرام نے مرجاں کی ماہیت کا تعین نہیں کیا اسی لئے اختلاف ہوا، مولانا نے اب حجت قاطعہ پیش کر دی ہے، اور طبی کتابوں کی مدد سے اس کی ماہیت کا تعین کر دیا ہے، جسے ہم تحقیق کی جدید تکنیک کہہ سکتے ہیں۔

فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جزیئے یا مسئلے کا جائزہ مولانا نے سرسری طور پر نہیں لیا اور تقلیدی طور پر اس کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ اس کی پوری پوری تحقیق کی مثلاً:

جا سکتا اسی طرح ابرک چکونہ معدنیات سے ہے اس لئے اس کی ماہیت بھی متعدد اکابر علمائے طب سے معلوم کی اور ان میں دیسقوایدوس، داؤد، انطاکی، رازی، ابن البیطار اور صاحب مخزن جیسے محققین طب ہیں ان کی کتابوں کے مکمل حوالے ہیں اور ابرک کی حقیقت وماہیت کے ساتھ ان کی اقسام پر مکمل بحث ہے اس طرح ان کے فتاویٰ میں وسعت اور گہرائی کے ساتھ دینی ودنیاوی علوم کا حسن امتزاج ملتا ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک محقق کے لئے یہ بات کہاں تک درست ہو سکتی ہے کہ وہ علمائے طب کی تصریحات پر آنکھ بند کر کے انحصار کر لے تو میں یہ عرض کروں گا۔ یقیناً یہ اصول تحقیق کے خلاف ہے لیکن یہ بھی عرض کروں گا کہ مولانا اس نکتے سے واقف ہیں اس لئے اطبائے کرام کی تصریحات کا مطالعہ بھی وہ انتقادی نظر سے کرتے ہیں ارسطو نے زجاج کو پتھر کہا اب مولانا کا تعقب ملاحظہ کیجئے:

"ارسطو رزجاج وبلور میں فرق نہیں کر سکا اس لئے وہ بلور کو بھی زجاج ہی کہتا رہا حالانکہ ان میں سے ایک معدنی ہے ایک مصنوعی اور ان دونوں کی ماہیت میں فرق ہے"

پھر ابن البیطار اور مخزن کے حوالے پیش کئے ہیں۔

ایک مثال اور ملاحظہ فرمالیجئے: فقہ کی تمام کتابوں میں جن پتھروں سے تیمم کو جائز کہا گیا ہے ان میں ایک نام البلخش بھی ہے مولانا لکھتے ہیں:

"کتب لغت حتیٰ کہ قاموس محیط میں اس لفظ کا پتا نہیں نہ تاج العروس نے اس سے استدراک کیا نہ جامع ابن بیطار نہ داؤد انطاکی، وتحفہ ومخزن میں اس کا ذکر عجب یہ کہ کتاب معرب میں بھی اس سے غفلت کی۔ مگر انوار الاسرار میں اس کا تذکرہ نظر آیا (ترجمہ) بلخش ایک پتھر ہے جو اطراف مشرق میں سونے کی کان میں ہوتا ہے اس کا رنگ یاقوت احمر کا ہوتا ہے اور یہ یاقوت سے زیادہ شفاف ہوتا ہے یہ تعریف لعل پر صادق آتی ہے مگر سونے کی کان میں پیدا ہونا ظاہراً اس کے خلاف ہے۔

مولانا کی طبی بصیرت اور ان کی وقت نظر کا اندازہ مرجاں کی تحقیق سے بھی ہوتا ہے مرجاں کی حقیقت وماہیت معلوم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دس مستند فقہی کتابوں میں تو اس سے تیمم کے جواز کی صراحت ملتی ہے مگر فتح اور در مختار میں اس سے تیمم کی ممانعت آئی ہے۔

فقہا مقبرے کی مٹی سے تیمم کو جائز سمجھتے ہیں بہ شرطیکہ اس میں کسی قسم کی نجاست نہ ہو مولانا کا ذہن فوراً گل مختوم کی طرف گیا، جو اصلاً تو مٹی ہے لیکن اس کے بارے میں عجیب و غریب روایات مشہور ہیں، اگر ان کا یقین کر لیا جائے تو پھر اس مٹی سے یا اس کے ڈھیلوں سے تیمم جائز نہ ہو گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گل مختوم ہے کیا؟ اور اس کے بارے میں کون سی عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔

چونکہ اطباء گل مختوم کو دواً استعمال کراتے ہیں اور طبی کتابوں میں اس کی متعدد دوائی خاصیتوں کا بھی ذکر ملتا ہے اس لئے مولانا نے طب کی امہات کتب سے اس کی ماہیت معلوم کی تاکہ اس مٹی سے تیمم کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں کوئی فقہی رائے دی جاسکے گل مختوم کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں، اگرچہ حوالہ مذکور نہیں ہے مگر خزانۃ الادویہ میں ہے:

"بحر مغرب میں ایک جزیرہ ملیون ہے، وہاں ایک معبد ہے جس کی مجاور عورت ہوتی ہے بیرون شہر ایک ٹیلہ ہے جس کی مٹی متبرک خیال کی جاتی ہے وہ عورت تعظیم کے ساتھ اس کی مٹی لاتی اور گوندھ کر اس کی ٹکیاں بنا کر ان پر مہر لگاتی ویقوریدوس وغیرہ نے زعم کیا کہ اس میں بکری کا خون ملتا ہے جالینوس کہتا ہے کہ میں انطاکیہ سے دو ہزار میل سفر کر کے اس جزیرے میں پہنچا میرے سامنے اس عورت نے وہاں سے ایک گاڑھی مٹی لی اور ٹکیاں بنائیں اور خون کا کچھ لگاؤ نہ تھا میں نہ وہاں کے مودّب لوگوں اور علماء کے صحبت یافتوں سے پوچھا کہ پہلے کسی زمانے میں اس میں خون ملایا جاتا تھا؟ جس نے یہ سوال سُنا مجھ پر ہنسنے لگا۔"

مولانا پر تو اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ اس میں خون نہیں ملایا جاتا اور یہ خالصتاً مٹی ہے لہذا تیمم کے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مطالعہ کے دوران انہیں خود اطبا کے اقوال میں غلط خلط آرا کا ایک دلچسپ تماشا نظر آیا جس کی تنقیح انھوں نے ضروری سمجھی بلاشبہ یہ غلطی داؤد انطاکی سے سرزد ہوئی مگر میرا خیال یہ ہے کہ انطاکی نے مظنۂ عامہ بیان کیا ہے یا پھر تحقیق سے پہلے کی یہ رائے ہے بہر حال مولانا لکھتے ہیں کہ:

"حیرت ہے کہ انطاکی نے اپنی کتاب التذکرہ میں گل مختوم کے اندر خون ملانے کے وہم کو جالینوس کی طرف منسوب کر دیا اور تنکابنی نے اپنی کتاب تحفہ میں دلسیقوریدوس کی طرف اس کا انتساب کیا جب کہ جالینوس ہی وہ شخص ہے جس نے ذاتی طور پر گل مختوم کی حقیقت معلوم کی اور اس کا عینی مشاہدہ کیا۔"

قرائن یہ کہتے ہیں کہ دیسقوایدوس نے گل مختوم کے بارے میں عام معتقدات کی طرف اشارہ کیا ہوگا اور جالینوس نے اسی کا خیال نقل کر دیا ہوگا اس لئے انطار کی نے اسی کی جانب منسوب کر دیا اگر جالینوس کو اس کا یقین ہوتا تو وہ جزیرۂ مغرب کا سفر کرنے کی صعوبت کیوں اٹھاتا۔

یہ باتیں تو جملہ معترضہ کے طور پر آگئی تھیں جہاں تک مولانا کا تعلق ہے ان کے مطالعہ کی وسعت اور ان کی طبّی بصیرت مسلم ہے تحقیق میں سنجیدگی اور ذہانت کی جو مثال انھوں نے قائم کی ہے وہ محققین کے لئے سبق آموز ہے اور سب سے بڑا نقطہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اور طب کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے اور کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک اسے طبی علوم پر دسترس نہ ہو مولانا کے اکثر فتاویٰ سے طبی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

علم الاحجار والمعاون طب کا ایک اہم شعبہ ہے معدنیات کی تکوینی حقیقت کا علم وقت نظر کا متقاضی ہے وہ صرف احجار کے اسما تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک بحر بیکراں ہے مولانا کی طبی بصیرت کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ انھوں نے عام فقہا کی طرح صرف معدنی احجار کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی اس اہم تحقیق سے بیان کا آغاز کیا کہ "جملہ معدنیات کا تکون گندھک اور پارے کے امتزاج سے ہے کبریت تو ہے کہ گرم ہے اور پارہ مادہ۔" کیمسٹری کے علماء شاید انکار نہ کر سکیں کہ جدید علم الکیمیا کا نظریہ بھی یہی ہے اور معدنیات کی تخلیق فطری کیمیائی عمل ہی سے ہوتی ہے۔

تیمم ہی کے ضمن میں رماد یعنی راکھ کی بحث بھی آگئی ہے جس میں مولانا نے جامع الرموز وغیرہ کے حوالے سے کشتہ سازی کے بھی سارے نکات بیان کر دیئے ہیں۔

مولانا کی اس طبی بصیرت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فقہا نے جو قابل تیمّم اشیا بتائی تھیں ان پر انہوں نے ۱۰۷ چیز کا اضافہ کیا۔

آج فقہا اور سائنسی علوم سے بیگانگی کی وجہ سے بیشتر تمدنی مسائل میں عصری علوم کے حوالے سے احکام شریعت کی تشریح و تعبیر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونے کی اہلیت سے محروم ہیں اور یہ ایک زبردست المیہ ہے غالباً اسلاف کی زندگیاں ان کے سامنے نہیں ہیں۔

ریاضی و ہیئت میں مقام رضا

پروفیسر شبیر احمد غوری

برصغیر میں مسلم ریاضی وہیئت کا آغاز البیرونی نے ۴۰۸ھ کے قریب کیا جبکہ اسے اس کے وطن مالوف خوارزم سے مغربی ہندوستان میں جلاوطن کیا گیا۔ یہاں اس نے مختلف شہروں کا عرض البلد دریافت کرکے اپنی ہیئتی سرگرمیوں کو جاری رکھا، نیز محیط ارضی کی پیمائش کی جو ریاضیاتی جغرافیہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی تیسری کوشش تھی۔ بعد میں لاہور کے دیوان کتابت کے مثلاً مسعود سعد سلمان ان سرگرمیوں میں مشغول ملتے ہیں۔ دہلی سلطنت کے زمانہ میں بھی کتّاب نے اس روایت کو برقرار رکھا چنانچہ امیر خسرو شہاب مہمرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

دررياضی بیک صریر قلم   پاک کردہ گوش جذ راصم

اسی صدی کے وسط میں محمود بن عمر الرازی نے ایک ہیئتی جدول (زیج) مرتب کرکے ناصر الدین محمود کے نام معنون کی اور اس کا نام "زیج ناصری" رکھا اس طرح خواجہ نصیر الدین طوسی کی زیج ایلخانی

سے پہلے ہی ہندوستان میں ایک زیج مرتب ہوچکی تھی صدی کے آخر میں امیر خسرو نے "قرآن السعدین"، لکھی جس میں:

صفۃ سیربروج و روش منزلہا

کے زیر عنوان چاند کی اٹھائیس منزلوں کی کیفیت قلم بند کی۔

مورّخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی کے عہد کے منجم اتنے باصلاحیت تھے کہ خود رسد گاہ قائم کرسکتے تھے فیروز تغلق کو اسطر لاب سازی میں دستگاہ کامل حاصل تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف اس کی مسلمان رعایا بلکہ ہندو رعایا بھی اس فن سے دلچسپی لینے لگی چنانچہ سنسکرت زبان میں مہندر سوری نے "منیتر راجہ" کے عنوان سے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ اگلی صدی میں فیروز شاہ بہمنی امور سلطنت کی مشغولتیوں میں سے کتب متداولہ کا درس دینے کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ وہ ہفتہ میں تین دن ریاضی میں "تحریر اقلیدس" اور ہیئت میں "شرح تذکرہ" پڑھایا کرتا تھا۔ اسی صدی میں مالوہ کے خلجی سُلطان محمود شاہ کے دوباری ہیئت داں نے ایک ہیئتی جداول (Astronomical Table) لکھ کر بادشاہ کے نام معنون کی اسی لئے یہ " زیج جامع محمود شاہی" کہلاتی ہے اس کو وحدا نسخہ بوڈلیان لائبریری میں ہے، بدقسمتی سے اس طوائف الملوکی کے دور کے ہندوستان کی دوسری اسلامی حکومتوں میں ان فنون کے جن فضلاء کا بلوغ ہوا، ان کی تفصیل نہیں مل سکی۔ مگر مغل فاتحین اپنے ہمراہ ان علوم کے ساتھ غیر معمولی اعتناد لے کر یہاں آئے، ہمایوں تو گویا ریاضی و ہئیت کا مظہر اتم تھا۔ ابوالفضل اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

" زاقسام علوم عقلی و نقلی آگاہی تمام داشتند علی الخصوص دراقسام علوم ریاضی آنحضرت راپایہ بلند بود" اس کی مجلس میں صرف انھیں فضلاء کو بار ملتا تھا جو ریاضی و ہئیت میں ید طولی رکھتے تھے اسکے یہاں قطب الدین شیرازی کی " درۃ التاج" پر مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ اس نے رصد گاہ قائم کرنے کا بھی ارادہ کیا مگر موت نے اسے فرصت نہ دی۔ اس کے بیٹے اکبر نے جب دین الٰہی جاری کیا تو علوم دینیہ کے علی الرغم علوم حکمیہ بالخصوص حساب و نجوم پر خصوصی زور دیا۔ بقول صاحب "دبستان المذاہب"

"حکم شد کہ البین از علوم غیر نجوم وحساب وطب وفلسفہ
نخوانند وعمر گرامی صرف آنچہ معقول نیست صرف نکنند"

ابو الفضل نے آئین اکبری کا معتد بہ حصّہ فلکیات کے لئے وقف کیا ہے۔ اس نے امیر فتح اللہ شیرازی کی زیر نگرانی زیج الغ بیگ کا سنسکرت میں ترجمہ کرایا۔

مگر علوم ریاضیہ کے تعلیم و تعلّم کا باقاعدہ سلسلہ شاہجہاں کے عہد سے شروع ہوا۔ یہ خدمت ایک نوارویرانی فاضل ملا مرشد شیرازی نے انجام دی، اس کا شاگرد رشید احمد معمار بائی تاج محل کا بڑا بیٹا عطاء اللہ رشدی تھا۔ اس سے ان علوم کی تعلیم اس کے برادر اصغر لطف اللہ مہندس نے حاصل کی۔

ان کے شاگردان کے صاحبزادے امام الدین ریاضی مصنف التصریح فی الہیئہ تھے جن سے ان کے برادر خورد خیر اللہ مہندس نے یہ علوم حاصل کئے۔ ملا مرشد کے علاوہ عہد شاہ جہانی کے دوسرے فضلاء ریاضیات میں ملا فرید منجم اور ملا محمود خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ملا فرید نے "زیج شاہجہانی" مرتب کی اس سے پہلے وہ "سراج الاستخراج" لکھ چکے تھے، ملا محمود نے بادشاہ شاہجہاں کے حضور میں رصد گاہ قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔ مگر وزیر کی دراندازی سے یہ منصوبہ عملی جامہ نہ پہن سکا، یہ شرف قسام ازل نے محمد شاہ کے عہد کے لئے مقدر کر رکھا تھا، چنانچہ اس کے حکم سے راجہ جے سنگھ نے دھلی میں رصد گاہ محمد شاہی قائم کی۔ اس کی دریافتوں کی مدد سے مرزا خیر اللہ اور محمد عابد دھلوی نے زیج محمد شاہی مرتب کی۔

اس سلسلہ کا اختتام مولوی غلام حسین جونپوری کی "جامع بہادر خانی" پر ہوا ۱۸۲۵ء جو ریاضی و ہیئت کی ایک عظیم اور انتہائی اہم مخزن العلوم ہے۔

مگر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب برطانوی استعمار نے اس ملک کی سیاست پر مضبوطی سے پنجے گڑا لیے تو پھر اس استعمار کو مزید مستحکم بنانے کے لئے مفتوحین کے علوم کے ساتھ ہمت شکن بے اعتنائی برتی تا کہ وہ اپنے شاندار ثقافتی ماضی سے متاثر ہو کر سر نہ اٹھا سکیں اس صورتحال سے عہد برآ ہونے کے لئے مصلحین قوم وملت کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک جماعت قدیم ثقافتی ورثہ کی بقاء و تحفظ

پر مصر تھی اس نے "مالایدرك كله لایترك كله" کے اصول پر قدیم علوم متداولہ میں سے قرآن و حدیث کی تعلیم کو باقی رکھنے پر زور دیا جو دینی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم تھے۔ رہے باقی علوم بالخصوص ریاضی وہیئت ان کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ پھر ان علوم کی ترقی ایک خاص سیاسی و معاشرتی ماحول میں ہوئی تھی جو ع نئے نظام میں بھولی بسری داستان بن چکا تھا۔ اور پھر وقت کی اہم ترین ضرورت علوم دینیہ کا تحفظ اور اشاعت تھی چاہے دوسرے علوم کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے اور اگر علوم حکمیہ کے ساتھ اعتناء کیا بھی تو یہ اعتناء صرف فلسفہ و معقولات تک محدود تھا رہے ریاضی وہیئت تو ان کے ساتھ بے اعتنائی حد سے تجاوز کر گئی۔

مصلحینِ ملت کی دوسری جماعت قوم کی دنیوی ترقی پر زور دیتی تھی جس کی لئے علوم جدیدہ میں تبحّر ضروری تھا مگر یہاں بھی ملوکیت اپنی دسیسہ کاریوں سے باز آئی اور امت مسلمہ کو اپنے ثقافتی ماضی سے بے تعلق بنانے کے لئے جدید درسگاہوں میں قدیم ریاضی وہیئت کے ساتھ بے اعتنائی ہی نہیں برتی گئی بلکہ انھیں تضحیک و تفضیح کا موضوع بنایا گیا اور اس طرح خیر الامم کو دُنیا کی ناکارہ ترین قوم ہونے کے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

غرض دوستوں کی دلسوزی اور بیگانوں کی نشتر زنی دونوں کا مجموعی نیتجہ یہ نکلا کہ ان علوم کی تعلیم بمنزلہ صفر ہو کر رہ گئی۔ مدارس عربیہ میں نام کے لئے ریاضی میں خلاصۃ الحساب اور تحریر اصول اقلیدس مقالہ اولیٰ اور ہئیت میں تصریح اور شرح چغمنی نصاب میں مشغول رہیں مگر عملی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔

یہ عملی ماحول تھا جس میں فاضل بریلوی نے آنکھ کھولی۔

مگر بعد کی تفصیل سے پہلے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ انھوں نے اپنے اساتذہ سے کیا حاصل کیا، ریاضی وہیئت میں فاضل بریلوی کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار کے فیض تلمیذ کا نیتجہ تھی جس کی تفصیل انھوں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "الکلمۃ الملہمہ" میں دی ہے فرماتے ہیں:

"فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔"

علوم ریاضیہ وہندسہ میں اس فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے۔ اور صرف شکل اوّل تحریر اقلیدس کی وبس جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزہ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، خاتم المحققین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اسکی تقریر حضور میں کی ارشاد فرمایا تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کر لو گے۔

یہ تھی کل کائنات ریاضی وہیئت میں اساتذہ سے تحصیل کی۔ شیخ بو علی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے بھی اپنے استاد سے ریاضی وہیئت کی بہت کم تعلیم حاصل کی تھی مگر بعد میں اپنے ذاتی مطالعہ سے اس میں چار چند لگا لئے مگر فاضل بریلوی کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ علوم دینیہ میں انہماک اتنا تھا کہ کسی اور طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں ملی۔ خود فرماتے ہیں۔

''آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رُخ نہ کیا، نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔''

لیکن اس عدم التفات واعتناء کے باوجود شفیق استاد کی پشیں گوئی پوری ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل اپنے محبوب بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد سامی بعونہٖ تعالےٰ فقیر نے حساب وجبر و مقابلہ ولوگارثم و علم مربعات و علم مثلث کروی و علم ہیئت قدیم وہیئات جدید، زیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ اور تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے۔ تحدیثاً نعمۃ اللہ تعالےٰ بحمد اللہ تعالیٰ اسی ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کر لو گے۔''

یہ میری بد قسمتی اور اس سے زیادہ دوں ہمتی و کوتاہی تلاش و جستجو ہے کہ ان جواہر پاروں کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن جو بھی جواہر پارہ ملا اس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ محض مصنف علام کی تعلی شاعرانہ نہ تھی، بلکہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔

کہ سابق میں عرض کیا گیا، جامع" بہادر خانی" اسلامی ہند کی ریاضیاتی عبقریت کا زروہ کمال ہے اور فاضل بریلوی نے اس پر تعلیقات لکھیں ظاہر ہے اس اہم کتاب پر تعلیقات لکھنے کی جرأت وہی فاضل روزگار کر سکتا ہے جو اس کتاب کے مصنف کا مثیل و نظیر ہو۔ بقول مرزا غالب:

اے اسدان ماہ جبینوں کے لئے چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

میں اس کتاب کو تلاش کر رہا ہوں۔ غالباً فاضل بریلوی کے پاکستانی عقیدت مندان کی دوسری ریاضی تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی اپنے یہاں لے گئے۔ مجھے ابھی اس کا صرف حوالہ ملا ہے۔ یہ حوالہ رسالہ در علم لوگارثم کے مقدمہ میں ملتا ہے یہ رسالہ کسی انگریز کی تصنیف ہے جسے کسی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ فاضل بریلوی نے اس پر حواشی لکھے تھے اس رسالہ کو فاضلِ بریلوی کے ایک عقید تمند نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے اس پر مقدمہ لکھوا کر شائع کیا ہے پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقدمہ میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عقیدت کیش بھارت آئے اور انھوں نے مولانا خالد علی خاں سے فاضل بریلوی کے غیر مطبوعہ رسائل کی نشرواشاعت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ موخر الذکر نے انھیں کوئی ۶۲ مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل دیئے پروفیسر مسعود صاحب نے ان میں سے کوئی چالیس کتب ورسائل کے ناموں کی فہرست دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم علمی جواہر پارہ ہنوز موجود ہے۔ فالحمد للہِ علیٰ احسانہٖ۔

اس فہرست میں نمبر ۲۸ کے مقابل ایک اور کتاب کا نام دیا ہے جو" حاشیہ جامع بہادر خانی" سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے" تعلیقات علی الزیج، الایلخانی" مقام شکر ہے کہ اس عاجز کے کرم فرما حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی صدرالمدرسین مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڈھ نے کتاب" تعلیقات علی الزیج الایلخانی" کا زیروکس حاصل کر کے اس نیاز مند کو اس کی زیارت کا موقعہ دیا ہے فاجزاہم اللہ عنی خیر الجزاء میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلحضرت کے عقیدت مندان کی جامعیت اور فضل و کمال کی جو بھی تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔

کہ سابق میں عرض کیا گیا، جامع" بہادر خانی" اسلامی ہند کی ریاضیاتی عبقریت کا زروہ کمال ہے اور فاضل بریلوی نے اس پر تعلیقات لکھیں ظاہر ہے اس اہم کتاب پر تعلیقات لکھنے کی جرأت وہی فاضل روزگار کرسکتا ہے جو اس کتاب کے مصنف کا مثیل و نظیر ہو۔ بقول مرزا غالب:

اے اسد ان ماہ جبینوں کے لئے چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

میں اس کتاب کو تلاش کررہا ہوں۔ غالباً فاضل بریلوی کے پاکستانی عقیدت مندان کی دوسری ریاضی تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی اپنے یہاں لے گئے۔ مجھے ابھی اس کا صرف حوالہ ملا ہے۔

یہ حوالہ رسالہ در علم لوگارثم کے مقدمہ میں ملتا ہے یہ رسالہ کسی انگریز کی تصنیف ہے جسے کسی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ فاضل بریلوی نے اس پر حواشی لکھے تھے اس رسالہ کو فاضل بریلوی کے ایک عقید تمند نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے اس پر مقدمہ لکھوا کر شائع کیا ہے پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقدمہ میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک عقیدت کیش بھارت آئے اور انھوں نے مولانا خالد علی خاں سے فاضل بریلوی کے غیر مطبوعہ رسائل کی نشرواشاعت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ موخر الذکر نے انھیں کوئی ۶۲ مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل دیئے پروفیسر مسعود صاحب نے ان میں سے کوئی چالیس کتب ورسائل کے ناموں کی فہرست دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم علمی جواہر پارہ ہنوز موجود ہے۔ فالحمد للہِ علیٰ احسانہٖ۔

اس فہرست میں نمبر ۲۸ کے مقابل ایک اور کتاب کا نام دیا ہے جو" حاشیہ جامع بہادر خانی" سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے" تعلیقات علی الزیج الایلخانی" مقام شکر ہے کہ اس عاجز کے کرم فرما حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی صدرالمدرسین مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڈھ نے کتاب" تعلیقات علی الزیج الایلخانی" کا زیروکس حاصل کرکے اس نیاز مند کو اس کی زیارت کا موقعہ دیا ہے فاجزاہم اللہ عنّی خیر الجزاء میں اس کا مطالعہ کررہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلحضرت کے عقیدت مندان کی جامعیت اور فضل وکمال کی جو بھی تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔

اصل کتاب "زیج الا ایلخانی" مسلمانوں کے ہئیتی ادب میں اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے۔ یہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف ہے جن کی شخصیت سیاسی اور مذہبی طور پر کتنی ہی متنازع فیہ کیوں نہ ہو مگر علوم حکمیہ کے پایہ سامی مسلم ہے ان کی جلالت قدر اور علوم حکمیہ کے باب میں ان کی ژرف نگاری کے اعتراف کے نتیجہ میں قوم نے انھیں سب سے پہلے محقق کا خطاب دیا۔ ان کی تجرید فی علم الکلام شیعی علم کلام کی کتاب ہے مگر شیعہ علماء سے کہیں زیادہ اس کے ساتھ سنّی علماء نے اعتناء کیا۔ تجرید پر علامہ قوشجی نے شرح لکھی اور اس شرح پر محقق دوّانی نے دو حاشیے حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ لکھے اور یہ دونوں حواشی اس صدی کے آغاز تک حکمت و معقولات کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول تھے۔ محقق طوسی کا دوسرا حکمی شاہکار شرح اشارات ہے" الاشارات والتبنیہات "شیخ بو علی سینا کی تصنیف ہے۔ جس پر پہلے امام رازی نے شرح لکھی تھی مگر یہ شرح سے زیادہ جرح کی مصداق ہے پھر محقق طوسی نے اس پر شرح لکھی اور امام رازی کے ایرادات واعتراضات کا جواب دیا، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے محقق طوسی کے تذکرہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"معالم تحقیقات ابو علی راکہ متصادم شہادت ابوالبرکات یہودی وتشکیکات فخر الدین رازی نزدیک باندارس رسیدہ بود از غایت علو حکمت وکمال ادراک استدراک نمود وویں ایرادات ایشاں را۔۔۔ ظاہر نمود۔"

بعد میں قطب الدین رازی نے دونوں شرحوں پر "محلہ کمہ "لکھا "محاکمات" کی شرح مرزاجان شیرازی نے لکھی جوراسخ العقیدہ سنّی ہیں مگر محاکم اور ان دونوں کے شارح دونوں کا رحجان سنی امام رازی کے مقابلے میں شیعی محقق طوسی کی تصویب کی جانب ہے۔ اور پھر یہ کتابیں عربی مدارس میں (جن کی بڑی تعداد سنّی مدارس کی تھی) معقولات کے اعلیٰ نصاب میں مشمول رہیں۔

ان چند کلموں سے زیج ایلخانی کے مصنف (خواجہ نصیر الدین طوسی) کی علمی جلالت قدر کا اندازہ ہو جائے گا۔ انھیں محقق طوسی نے ہلاکو کے حکم سے مراغہ (تبریز کے نزدیک) کی رسد گاہ قائم کی جو عہد اسلام کی رصد گاہوں میں ایک مخصوص مقام رکھتی ہے بلکہ غالباً الغ بیگ کی رصد گاہ سمرقند سے بھی زیادہ عظیم تھی۔ اس رصد گاہ کی ہئیتی دریافتوں کو محقق طوسی نے اس زمانے کے نابغہ روزگار ہئیت دانوں

کی مدد سے مرتب کر کے ہلاکو کے بیٹے ایل خان کے نام معنون کیا اسی لئے اس کا نام زیج ایلخانی ہے۔

اس سے قطع نظر زیج ایلخانی نے اسلام کے ہئیتی ادب بالخصوص ازیاج.... (Tables AstroNomical) میں ایک نئے انداز کا افتتاح کیا جس کا بعد کے ہیئت دانوں نے اتباع کیا۔ اس میں چار مقالے ہیں اور یہی انداز تبویب و تفصیل بعد کی زیجوں مثلاً الغ بیگ کی زیج جدید سلطانی شاہجہاں کے درباری منجم ملا فرید کی "زیج شاہجہانی" اور راجہ جے سنگھ اور مرزا خیر اللہ مہندس کی "زیج محمد شاہی" میں اپنایا گیا ہے۔ والفضل للمتقدم

اور فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت نے اپنے اظہار کے لئے اسی عظیم ہئیتی شاہکار کو منتخب کیا:

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی　　　پہلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

اس انتخاب کی اہمیت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم فاضل بریلوی کی ریاضی وہئیت میں قلمی سرگرمیوں کو اس ماحول میں پرکھیں جبکہ ان کے بیشتر معاصرین یا تو ریاضی وہئیت کے معضلات کو "متروک التعلیم" قرار دیکر علم وحکمت کی ترقی کو آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے ڈھکیل رہے تھے یا پھر زیادہ سے زیادہ صاحبانِ مطابع کی فرمائش سے حواشی لکھ رہے تھے۔ اس طرح فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت اپنے حریفان پنجہ شکن کو بزبان حال للکار رہی تھی:

من بسے دیوان شعر تازیاں دار زبر　　　تو نہ دانی خواندلاھبی بصحنک فاصبحین

زیج ایلخانی میں چار مقالے تھے مگر فاضل بریلوی نے ان میں سے صرف مقالہ دوم پر تعلیقات لکھی ہیں:

محقق طوسی نے زیج ایلخانی کو ۱۲۷۰ء کے قریب مکمل کیا تھا۔ اگلی صدی میں نیشاپور کے ایک فاضل نظام الدین اعرج نے "کشف المعانی" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ مگر اعلیٰ حضرت کی علمی دیانت داری لائق صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے بکمال فراخدلی اس سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"فھذہ تعلیقات اقرفتھا من الشرح المشھور والبحر المعجور لعمہ من نیشابور" (یہ وہ تعلیقات ہیں جن کی... میں نے علامہ نیشاپور نظام الدین اعرج نیشاپوری کی مشہور شرح سے جو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، خوشہ چینی کی ہے)

حالانکہ وہ باآسانی اس حقیقت کو چھپا سکتے تھے کیونکہ اس کتاب کے نسخے بہت ہی کم یاب ہیں۔ مجھے صرف اس کے ایک نسخہ کا پتہ چلا ہے یہ رضالائبریری رامپور میں ہے۔ مگر بحالات موجودہ میں اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لئے یہ کہنا بہت زیادہ مشکل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ان "تعلیقات" میں کسی قدر' حصہ نظام الدین اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے اور کتنا ان کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے اس سلسلے میں ۲ دو باتیں خصوصیت قابل ذکر ہیں۔

ا۔ علوم ریاضیہ (Mathe matical) کے باب میں فضلائے اسلام کی کوششوں نے دو صورتیں اختیار کیں یا تو انھوں نے اپنے پیشروؤں کی تحقیقات پر اضافہ کیا اور اپنی کاوشِ فکر سے قدیم علمی سرمائے میں چار چاند لگائے جس طرح عمر خیام سے پہلے صرف دوسرے درجہ کی مساوات (quadratic equations) حل ہوئی تھی، مگر اس نے تین درجہ کی مساواتوں (Cubic equations) کا منظم حل پیش کیا۔ مگر ایسی مثالیں کم ہیں۔

یا پھر بعد کے فضلاء نے اپنے پیشروؤں سے جو حاصل کیا اسے کم از کم برقرار رکھا اور آنے والی نسلوں کے لئے اسے ایک مقدس ورثہ بنا کر چھوڑ گئے۔ اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

مگر عہد حاضر میں یہ بھی نہیں ہوا۔ جدید انکشافات تو درکنار جو کچھ متقدمین لکھ گئے تھے، اُسے بھی علی حالہٖ برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی اس کی مثال میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کر چکا ہوں کہ مولوی محمد برکت اور ان کے تلامذہ (جنھیں گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا) کی کاوشیں بھی ہمارے معلمین و ملازمین نسیاً منسیاً کر چکے ہیں۔

ایسے پر آشوب حالات میں اگر فاضل بریلوی کی تعلیقات کلیتاً نظام الدین اعرج کی شرح کا التقاط ہی کیوں نہ ہو تب بھی اسلامی ریاضی و ہیئت پر ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ کم از کم انھوں نے متقدمین کے سرمایہ کو برقرار رکھا، اپنے معاصرین کی طرح اسے "متروک التعلیم" بنا کر اسلاف کی کاوشوں کو (جن کے لئے انھوں نے خون جگر بہایا تھا) گوشہ خمول میں گمنام ہونے سے تو بچالیا۔ فاجزہ اللہ عنا خیرالجزا۔

(۲) لیکن اتنا یقینی ہے کہ یہ تعلیقات کلیتاً نظام الدین اعرج کی خوشہ چینی پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ بہت کچھ ان کی (فاضل بریلوی کی) اپنی کاوش و جستجو کا بھی نتیجہ ہیں۔ انھوں نے ان "تعلیقات" میں (۱)

الغ بیگ کے مقابلے میں جدید تر ہے اس لیے اسے ''زیج احد'' کہہ سکتے ہیں۔ مگر میرے پیش نظر اس زیج کے کوئی دس بارہ نسخے ہیں مگر کسی میں بھی ان بیاسی ثوابت کی چال منضبط نہیں ملی۔ اب یا تو فاضل بریلوی کے پیش نظر زیج محمد شاہی کا بالکل ہی مختلف ایڈیشن ہوگا یا پھر زیج کا مصداق'' زیج محمد شاہی'' کے علاوہ اور کچھ ہے۔

جو کچھ بھی ہو یہ مختلف ستاروں کی رفتار نہ تو نظام اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے اور نہ اس کے کسی ہم عصر یا قریبی جانشین سے اور یقیناً فاضلِ بریلوی نے جن کا دن مشغلہ تصنیف و تالیف میں اور رات قیام اللیل و تہجد گزای میں گزرتی تھی خود اختر شماری کی زحمت میں اس وقت عزیز کو نہ گنوایا ہوگا۔ یہ کسی اور کتاب سے ماخوذ ہے۔

غرض یہ تعلیقات محض نظام الدین نیشاپوری کی'' شرح زیج ایلخانی'' سے ''اعتراف والتفات'' کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بہت کچھ فاضل بریلوی کی اپنی خود کاوش اور جستجوئے پیہم کو بھی دخل ہے۔

فاضل بریلوی کے تبحر فی الریاضیات کے سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہتے ہیں کہ مرحوم ڈاکٹر سر ضیاء الدین کسی مسئلہ کے حل میں بڑے پریشان تھے اور اس سلسلے میں یورپ جانا چاہتے تھے مگر حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کے اصرار پر وہ فاضل بریلوی کے پاس پہنچے اور انھوں نے اسے حل کر دیا۔

یہ واقعہ اتنے تواتر سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کی صحت شکوک و شبہات سے بالاتر نظر آتی ہے پھر بھی ایک احتمال رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے عقیدت مندوں نے اسے مشہور کر دیا ہو کیونکہ جن حضرات نے اسے روایت کیا ہے وہ اس عبقری وقت کے عقیدت کیش ہی تھے۔

مگر کیونکہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے بریلی کا یہ علمی سفر مارہرہ شریف کے سجادہ نشین کے تعارفی خط کے ذریعہ کیا تھا اسلئے مجھے تلاش ہوئی کہ شاید درگاہ شریف میں کوئی تحریری شہادت مل جائے۔ مجھے ابھی درگاہ شریف کی زیارت کے لئے جانے کا تو موقع نہیں ملا لیکن اس خانقاہ کے ایک محترم فرد جناب عزیز الحسن صاحب نے مجھے اس سلسلے کی ایک اہم شہادت فراہم کی۔ فجزھم اللہ خیرالجزاء۔

یہ العلم، کراچی میں شائع شدہ ایک مضمون ہے جو نہ تو فاضل بریلوی پر ہے، اور نہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین ہی پر ہے بلکہ ایک تیسرے بزرگ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف پر ہے۔ مضمون نگار کو ان سے عقیدت تھی ان کے ذکر میں ضمناً یہ واقعہ بھی آ گیا ہے خود مضمون نگار کی ثقاہت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

اولڈ بوائے ہونے کے علاوہ اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی قولاً و فعلاً قابل اعتماد ہیں۔ سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ان کے ایماء و مشورے سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین ریاضی کے ایک اہم مسئلہ کا حل دیافت کرنے اعلیٰ حضرت کے پاس سید سلیمان اشرف صاحب کی معیت میں گئے تھے اور اعلیٰ حضرت نے باحسن وجوہ وہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کے حل کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے۔ جج صاحب نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد دونوں بزرگوں کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

ان کا اصل کمال علوم قرآن و حدیث کی شرح و توضیح میں مضمر ہے یقیناً وہ علم و حکمت کی اس کساد بازاری کے دور میں ان مستثنیات میں سے تھے جن کے متعلق اقبال نے لکھا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

رب غفوران پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔

مہینا ملکا منعما خدا وندا	بحق نعمت قرآن و دولت قاری
ندیم قوم خود کن غریق رحمت خویش	مجاور رسل و انبیاء و مختاری
بساط صحن وہ از حلہائے فردوسی	غلاف قبر کن ان پر دہائے غفاری

ماخذ و مراجع

(۱) اوسط کے نکالنے کا طریقہ بیان کر دیا ہے مگر فاضل بریلوی نے پہلے وسط کی حقیقت بتائی ہے پھر مختلف سیاروں کے مختلف اوقات کی حرکتوں کی مقدار بتائی ہے۔

قرآن سائنس اور امام احمد رضا



مصنف

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

امام احمد رضا اور علم ریاضی

مولانا قاضی شہید عالم

امام احمد رضا قدس سرہ کا خاص موضوع اور فکر و نظر کا خاص محور علوم دینیہ ہی رہا دیگر علوم وفنون کی طرف التفات، وہ صرف اس غرض سے ہے کہ ان میں جو اسلامی نظریات وعقائد سے متصادم ہیں ان کا رد بلیغ کر کے مسلمانوں کے عقول واذہان کو ان سے نجات دلائی جائے اور جو مقاصد شرعیہ میں مفید ہیں ان کی تحقیق و تنقیح کے بعد حصول مقاصد میں مفید سے مفید تر بنایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ علوم عقلیہ خاص کر علم ریاضی کے مختلف شعبوں میں وہ قیمتی جواہر پارے عطا فرمائے کہ بڑے سے بڑا ریاضی داں انہیں دیکھ کر انگشت بدنداں نظر آتا ہے۔ علم ریاضی کے شعبۂ موسیقی میں اب تک کوئی تصنیف نظر سے نہ گزری وہ اس لئے کہ مقاصد شرع سے دور ہے۔ اس کے علاوہ کون سا شعبہ ہے کہ ان کی نگاہ التفات سے محروم رہا ہو؟

ھئیت ہو یا ہندسہ، علم مثلث کروی ہو یا سطحی، ارتھمیٹک ہو یا الجبرا، زیج ہو یا تکسیر کوئی صنف آپ کی تحقیق و تدقیق اور تحریر و تنقیح سے محروم نہیں۔ یہ محض دعویٰ نہیں ان علوم وفنون میں تقریباً پچاس کتب ورسائل فقیر کی دسترس میں ہے۔

(۱) المعنیٰ المجلی للمغنی والظلی

(۲) الھنئی النمیرفی الماء المستدیر

(۳) حآشیہ زیج بہادر خانی

(۴) حاشیہ شرح زیج جدید سلطانی

(۵) حاشیہ جامع بہادر خانی

(۶) فوز مبین دَر رَدِّ حرکت زمین

(۷) اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا

(۸) البرھان القویم علی العرض والتقویم

(۹) مسفر المطالع للتقویم والطالع

(۱۰) ھدایۃ المتعال فی حدالا ستقبال

(۱۱) کشف العلۃ عن سمت القبلہ

(۱۲) قانون رویت اھلہ

(۱۳) رویت الھلال

اسی سلسلہ کی چند اہم کڑیاں ہیں۔

یہ علوم وفنون امام احمد رضا قدس سرہ نے کسی بڑی یونیورسٹی یا اعلیٰ تعلیمی ادارے میں نہ سیکھے بلکہ اپنے مکان کی چہار دیواری کے اندر رہ کر صرف اور صرف مطالعہ سے اتنی مہارت حاصل کی کہ آج دنیا حیرت زدہ ہے:

”ذلك فضل الله یوتیه من یشاء“

وہ خود فرماتے ہیں، یہ اللہ عزوجل کا فضل اپنے اس بندے پر جس نے علوم اصلاً کسی سے نہ سیکھے نہ ان میں کوئی کتاب پڑھی مگر تحریر اقلیدس کی صرف پہلی شکل اور دو جز تصریح حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے اور شرح چغمینی، صرف پندرہ ورق جناب مولانا مولوی عبد العلی صاحب رامپوری مرحوم و مغفور سے۔ وہ بھی جناب موصوف کے فرمانے ہی سے اس وقت عمر ۱۹ سال تھی، درس مدتوں کا ختم ہو گیا تھا، رامپور بوجہ قرابت جانا اور کچھ دن ٹھہرنا ہوا تھا صاحب مکان مرحوم کے یہاں حضرت موصوف تشریف لائے۔ مسئلہ امتناع نظیر کا تذکرہ ہوا فقیر نے اس میں وہ تقریرات بیان کیں کہ مولانا ان پر متعجب ہوئے اور فرمایا "کیا پڑھتے ہو" عرض کی! درس کئی سال پیشتر ختم ہو گیا۔ سب کچھ اپنے حضرت والد ماجد سے پڑھا۔ فرمایا "شرح چغمینی پڑھی ہے" عرض کی! "نہ" فرمایا! "اسے ہم سے پڑھ لو کہ اس فن کا ایسا جاننے والا نہ پاؤ گے"

ان کے فرمانے سے چند روز قیام میں یہ پندرہ ورق پڑھے۔ کسی دن ڈھائی ورق ہوتے کہ فقیر صرف عبارت پڑھتا چلا جاتا جہاں حضرت کو خیال ہوتا کہ نہ سمجھا ہو گا، استفسار فرمالیتے، مطلب عرض کر دیا کسی دن آدھی سطر ہوتی جس دن فقیر کو کوئی شبہہ ہوتا اس کی تقریر و بحث میں وقت ختم ہو جاتا۔ مولانا موصوف کی اس نعمت کا اظہار ضروری تھا کہ ناشکری نہ ہو۔

جب حضرت والد قدس سرہ الماجد سے تحریر اقلیدس کی پہلی شکل پڑھی اور اس کی تقریر عرض کی۔ ارشاد فرمایا! تم علوم دینیہ کی طرف توجہ رکھو ان علوم کو خود حل کر لو گے۔ ان کے ارشاد کی برکت کہ تمام علوم، ہیئت و ہندسہ و ریاضی و حساب و جبر و مقابلہ و مساحت و مثلث کروی وغیرہا جس فن کی اپنے کام میں ضرورت پڑی بفضلہ تعالیٰ کام رکا نہ رہا اور ان میں بکثرت رسائل رائقہ تصنیف کئے اب اور قواعد جدیدہ ایجاد کئے واللہ الحمد۔

ایک اندازے کے مطابق امام احمد رضا نے ریاضی کے مختلف شعبوں میں تقریباً ڈیڑھ سو کتب و رسائل اور حواشی کا بیش بہا ذخیرہ عطا فرمایا اس وقت میرا روئے سخن مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف ہے:

(۱) کشف العلہ عن سمت القبلہ ۱۳۲۴ھ

(۲) الھنی النمیر فی الماء المستدیر ۱۳۳۴ھ

"کشف العلہ عن سمت القبلہ" یہ کتاب سمتِ قبلہ کے عنوان پر ہے جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اس عنوان پر اب تک جتنی کتابیں یا مضامین لکھے گئے ان میں سب سے زیادہ تفصیلی آسان، تحقیقی اور تمام روئے زمین کے لئے جامع، مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی یہی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ امام احمد رضا نے پوری دنیا کی سمت قبلہ دریافت کرنے کے لئے قاعدے خود ایجاد کئے ہیں۔

(۱) ان قواعد سے کن کن مقامات کی سمت قبلہ دریافت کر سکتے ہیں؟

(۲) ان کے ذریعہ استخراج سمتِ قبلہ میں کتنی آسانی ہے؟

(۳) ان سے آسان کوئی اور قاعدہ موجود ہے یا نہیں؟

(۴) یہ قواعد کس حد تک تحقیقی ہیں؟

ان سب سوالوں کے جواب کے لئے امام احمد رضا کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں:

الحمد للہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل و جبل اور آبادی و جنگل سب کو محیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض و طول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض و طول اگر صحیح ہو اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھا دیئے جائیں تو کعبہ معظّمہ کو خاص روبرو پائیں۔[۲]

یہ قواعد علم مثلث کروی (Spherical Trigonometry) کے فارمولوں پر مبنی ہیں اور تحقیق و تسہیل کے پیش نظر شکل مغنی و شکل ظلی دونوں سے کام لیا ہے مطلوب کو ثابت کرنے کیلئے جو فارمولے خود ایجاد کئے ہیں ان کو علم مثلث کروی کے مسلمہ اصول کے ذریعہ اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ کسی کے لئے شک وریب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

نمونہ کے طور پر قاعدہ نمبر ۹ پیش کرتا ہوں کہ ان دس قاعدوں میں سب سے زیادہ عام، یہی قاعدہ ہے، روئے زمین کا بیشتر حصہ اسی قاعدہ کے تحت آتا ہے۔

"قاعدہ نمبر ۹ جم عرض موقع + ظل فصل طول = محفوظ

اب اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض شمالی ہے یا زائد اور عرض جنوبی۔ بہر حال عرض البلد مساوی عرض موقع نہیں بلکہ کم ہے یا زائد، تو ان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد و عرض موقع کا تفاضل لیں اب محفوظ۔ جیب تفاضل = ظل انحراف از نقطہ جنوب یا شمال بنقطہ اعتدال عرض البلد شمالی ہو خواہ جنوبی اگر عرض موقع سے کم ہے تو نقطہ شمال سے انحراف ہو گا اور زائد ہے تو نقطہ جنوب سے"۔ ۳ے

اس کے بعد اس قاعدہ کے جملہ مندرجات کو علم مثلث کروی کے مسلمہ فارمولوں سے ثابت کیا ہے۔ اس کے مباحث بہت طویل ہیں اس مختصر مضمون میں پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔

عملاً ان قواعد کو جاری کر کے متعدد مقامات کی سمت قبلہ استخراج فرمادی ہے۔ اسی قاعدہ نمبر ۹ کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

مثال: سرکار نوربار اجمیر مقدس کا مکہ معظمہ سے فصل طول شرقی ۳۴ درجے ۳۱ دقیقے اور عرض شمالی ۲۶ درجے ۲۸ دقیقے ہے۔

(لو) ظم عرض حرم ۱۰٫۴۰۶۴۵۷۷

+(لو) جم فصل ۹٫۹۱۵۹۰۶۹

= ۱۰٫۳۲۲۳۶۴۶

قوس ایں ظل ۶۴

(لو) جیب ۶۴ ۳۳ ۹٫۹۵۵۶۶۸۸

+(لو) ظل فضل ۹٫۸۳۷۴۰۴۹

محفوظ ۹٫۷۹۳۰۷۳۷

لو جیب تفاضل کہ ایک درجہ ایک دقیقہ ہے ۸٫۲۴۹۰۳۳۲

= ۱۱٫۵۴۴۰۴۰۵

قوس ایں ظل = ۸۸٫۲۲٫۸۸ پس نقطۂ مغرب سے جنوب کو انحراف ایک درجہ ۳۸ دقیقے۔ ۴ے

تنبیہ: امام احمد رضا کے مندرجہ بالا مباحث کو سمجھنے کے لئے ان میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کو جان لینا ضروری ہے۔ فقیر ان کے انگریزی مترادفات تحریر کر دیتا ہے تاکہ جو حضرت علم مثلث کروی (Spherical Trigonometry) کے اوصول قواعد سے آگاہ ہیں لیکن ان اصطلاحات کو انگریزی ناموں سے جانتے ہیں۔ عربی زبان کے ناموں سے نہیں جانتے ان کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

جیب سے مراد Sine، جم جیب التمام کا مخفف ہے یعنی Cosine۔ ظل Tangent۔ ظم، ظل التمام کا مخفف ہے یعنی Cotangent۔ یعنی Digree۔ عرض Latilude طول Longitude۔ فصل طول Longiterdinal Distance درجہ دقیقہ minute "لو" لوگارثم کا مخفف ہے یعنی Logarithm۔

الهنئی النمیر فی الماء المستدیر: یہ بھی ریاضی میں اہم ترین رسالہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا کہ کوئیں کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہیے کہ دہ، دہ، در دہ ہوا اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

بظاہر یہ ایک سطر کا سوال ہے لیکن اس کا جواب خاصا دشوار ہے اس لئے کہ اگر کسی سطح کا رقبہ معلوم ہو اور اس کا احاطہ دریافت کرنا ہو تو دوری شکل کے علاوہ دوسری شکلوں مثلاً مربع یا مستطیل وغیرہ میں احاطہ یعنی چوحدی دریافت کرنا زیادہ مشکل نہیں مثلاً ایک سطح بشکل مربع ہے اس کا رقبہ دہ در دہ یعنی ۱۰۰ ہاتھ ہے۔ تو پہلے اس کا جزر نکال لیں اس کے بعد ۴ میں ضرب دیدیں۔ حاصل ضرف سطح مذکور کا احاطہ ہو گا۔

اسی طرح اگر بشکل مستطیل دہ در دہ حوض جس کی لمبائی ۱۲ ہاتھ ہو اس کی چوڑائی اور احاطہ یعنی چوحدی معلوم کرنا ہو تو حساب کا عمل اس طرح کریں ۱۰۰/۱۲=۸-۱/۳ ہاتھ حوض کی چوڑائی ہے۔ (۲x۱۲)+(۲x۸-۱/۳) = ۲۴+۱۶-۲/۳ = ۴۰-۲/۳ ہاتھ حوض مذکورہ کا احاطہ ہو گا اور حوض یا کنواں دوری شکل میں بنانا ہو تو حساب کا عمل خاصہ دشوار ہے اسی وجہ سے فقہاء کے مابین اس کی تعیین و تحدید میں اختلاف واقع ہو گیا امام احمد رضا فرماتے ہیں "اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جدا ہے۔

قول اول: اڑتالیس ہاتھ، خلاصہ وعالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی وفتاویٰ کبریٰ میں اسی کو احوط بتایا، سید طحطاوی نے اس کا اتباع کیا۔

دوم: چھیالیس ہاتھ، بعض کتب میں اس کو مختار و مفتی بہ بتایا۔

سوم: چوالیس ہاتھ، اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔

چہارم: چھتیس ہاتھ، ملتقط میں اس کی تصحیح کی۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب میں مبرہن ہے۔ اسی پر ملا خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے در مختار اور علامہ فقیہ ومحاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا:

امام احمد رضا قدس سرہ نے علم مساحت اور علم ہندسہ کے قواعد سے ثابت فرمایا ہے کہ اس کا دور ساڑھے پینتیس ہاتھ ہونا چاہیے۔ یعنی ۳۵،۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک اونگل یعنی ۱۱،۲۸۴ ہاتھ"

اپنے دعویٰ کو اس طرح ثابت فرمایا:

"بیان اس کا یہ ہے کہ اصول ہندسہ مقالہ ۴ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے۔ یا قطر دائرہ کو ربع محیط۔ یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے۔ یا قطر ومحیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے۔ ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر، اجزاء محیطیہ سے قید جہ لہ کط لو مہ ہے۔ نصف قطر نز یہ مد مج کب، یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجہ ہے قطر اس سے ۱۱۴ ر درجے ۳۵ ر دقیقے ۲۹ ر ثانیے ۵۰،۴ ر رابعے ہے۔ تو قطر اگر ایک ہے محیط ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے۔ فان ۳۶۰ ÷ ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴،۵۹۱۵۵۹۱۵۷ تحویلہ الی الستینی قید جہ لہ کط لو مر یہاں سے ہمیں دو مساواتیں حاصل ہوئیں قطر ومحیط ومساحت کو علی التوالی ق، ط، م، فرض کیجئے پس:

(۱) ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط۔ اس لیے کہ ۱: ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵: ق: ط۔

(۲) ق ط ر ۴ = م۔ ان کے بعد قطر و محیط و مساحت سے جو چیز گز، ہاتھ فٹ گرہ، وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی:

معلوم / مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر	ط	۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق ۲
محیط	۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵		ط ۲ / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	م / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵	۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ م	

امام احمد رضا قدس سرہ نے دوری شکل سے متعلق ایسے فارمولے بنادئے ہیں کہ قطر، محیط، اور مساحت میں کوئی ایک بھی معلوم ہے بقیہ دو کو معلوم کیا جاسکتا ہے جدول میں بیان کردہ فارمولوں کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً کسی دائرہ کا قطر معلوم ہے تو قطر کو ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ میں ضرب دیں حاصل ضرب مذکورہ دائرہ کا محیط ہے اور اگر قطر کے مربع کو ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ میں ضرب دیں حاصل ضرب اس دائرہ کی مساحت یعنی رقبہ ہوگا اور اگر محیط معلوم ہے اور بقیہ دو مجہول، تو محیط کو ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ پر تقسیم کریں حاصل قسمت دائرہ مذکورہ کا قطر ہے اور اگر محیط کے مربع کو ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ پر تقسیم کریں تو۔ حاصل قسمت دائرہ مذکورہ کی مساحت ہوگا اور فرض کریں کے مساحت معلوم اور بقیہ دو مجہول ہیں تو مساحت کو ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ پر تقسیم کریں پھر حاصل قسمت کا جزر نکالیں یہی جزر مذکورہ دائرہ کا قطر ہوگا اور اگر محیط معلوم کرنا ہے تو مساحت کو ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ میں ضرب کریں حاصل ضرب کا جزر دائرہ مذکورہ کا محیط ہے۔

استخراج مطالب میں امام احمد رضا کے وضع کردہ یہی فارمولے کافی تھے۔ لیکن امام احمد رضا ریاضی جیسے ادق اور مشکل فن میں بھی اتنی اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہیں کہ استخراج کو آسان سے آسان تر بنادیا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے ایک لوگارثمی جدول بنادی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

"پھر آسانی کے لئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حساب سے وہ تصرفات کردیے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے"

معلوم / مطلوب	لو قطر	لو محیط	لو مساحت
لو قطر		لوق + ۰،۴۹۷۱۴۹۹	۲لوق + ۱،۸۹۵۰۸۹۹
لو محیط	لوط + ۱،۵۰۲۸۵۰۱		۲لوط + ۲،۹۰۰۷۹۰۱
لو مساحت	لوم + ۰،۱۰۴۹۱۰۱	(لوم + ۱،۲۰۹۹) / ۲	

یہاں مساحت معلوم ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲،۰ ، ۲،۱۰۴۹۱۰۱ / ۲ = ۱،۰۵۲۴۵۵۰ اکہ لوگارثم ۱۱،۲۸۴ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز ۳،۲۰۹۹۲۰۹۹ / ۲ = ۱،۵۴۹۶۰۴۹ اکہ لوگارثم ۳۵،۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دور ہوئی۔

ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۱،۲۸۴ × ۳۵،۴۴۹ = ۴۰۰،۰۰۶۵۱۶ ÷ ۴ = ۱۰۰،۰۰۱۶ کہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶/۱۰۰۰۰ یعنی ۱/۶۲۵ زائد ہے کہ ایک اونگل عرض کا ۶۲۵۔ ۲۴ یعنی اونگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے۔[۵]

مذکورہ بالا مباحث کو دیکھنے کے بعد علم ریاض میں امام احمد رضا کی غیر معمولی مہارت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

ماخذ و مراجع

۱) کشف العلۃ، ص ۹۹)
۲) کشف العلۃ باب سوم، ص ۷۰)
۳) کشف العلۃ عن سمت القبلہ، ص ۶۲۔ ۶۳)
۴) کشف العلۃ، ص ۶۴۔ ۶۵)
۵) فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص ۳۲۳)

معارف رضا کے مقالہ نگاران کے لیے رہنما اصول

پروفیسر دلاور خاں

مفکر اسلام امام احمد رضا کی عقائد، قرآن، حدیث، فقہ، سیرت النبی ﷺ، تصوف، تاریخ، سائنس، بین الاقوامی تعلقات، فلسفہ، ادب، سائنس، صحافت، طب، ریاضی، منطق، تعلیم، معاشیات، سیاسیات، عمرانیات اور نفسیات میں خدمات کو موضوع تحقیق بنایا جائے۔ مقالہ ان موضوعات کے کسی ذیلی عنوان کے تحت لکھا جائے۔ عنوان جامع اور اعلیٰ مقاصد کا حامل ہو۔ مقالہ عصری افادیت کے تناظر میں لکھا جائے۔

۱۔ سب سے پہلے مقالے کا ایک واضح اور جامع خاکہ تیار کیا جائے۔

۲۔ خاکے کی تیاری کے بعد متعلقہ مواد کے مآخذ و مراجع کی فہرست تیار کی جائے۔

۳۔ خطِ وقت (ٹائم لائن) مقالے کے آغاز سے پہلے اس کے مختلف حصوں کی فہرست تیار کر لی جائے اور اس کے سامنے کالم میں اس حصے کے آغاز و تکمیل کی تاریخ درج کی جائے تاکہ مقالہ اپنے معینہ وقت پر تکمیل پزیر ہو۔

۴۔ تمہید/تعارف عمیق مطالعے کے بعد قلم بند کی جائے۔

۵۔ متن کی صحت، قطعیت اور موزونیت پر خاص توجہ دی جائے۔ جملوں اور الفاظ کی تکرار سے اجتناب کیا جائے۔

۶۔ مقالہ ایک مرکزی خیال و تصور کے گرد گھومتا ہے۔ ہر پیراگراف میں اسی خیال کو آگے بڑھایا جائے جس کی بنیاد پچھلے پیراگراف پر ہو۔

۷۔ بنیادی مآخذ سے استفادے کو ترجیح دی جائے۔

۸۔ کسی رائے کی تائید میں دلائل کا ذکر بتدریج قوی اور قوی تر دلائل سے کیا جائے۔

۹۔ مبالغہ آمیزی سے گریز کیا جائے۔ جس قدر ہو سکے حقیقت پسندانہ معروضی اندازِ فکر کی پیروی کی جائے۔

۱۰۔ جذباتی انداز سے اجتناب کرتے ہوئے، اپنے موقف کو مثبت انداز میں بھرپور دلائل سے پیش کیا جائے۔

۱۱۔ صیغہ متکلم سے گریز کیا جائے۔

۱۲۔ منفی فقرات سے گریز کیا جائے۔ تمسخرانہ انداز، رکیک جملوں اور کسی پر کیچڑ اچھالنے سے احتراز کیا جائے۔

۱۳۔ تحقیقی مقالہ نویسی کوئی شاعری یا افسانہ نگاری نہیں، اس کا انداز سنجیدہ اور دھیما ہو۔

۱۴۔ عبارت آرائی میں اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔ طویل جملوں سے گریز کیا جائے۔

۱۵۔ رموز و اوقاف اور گرامر کے لحاظ سے عبارت درست ہو۔

۱۶۔ ایسی تفصیل سے گریز کیا جائے جو بلا ضرورت مقالے کے حجم میں اضافے کا باعث ہو۔

۱۷۔ فنی اصطلاحات کے استعمال پر خوب توجہ دی جائے کیونکہ اس سے مقالے میں علمیت کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۸۔ اگر ایک اصطلاح ایک معنیٰ میں استعمال کی گئی ہو تو پورے مقالے میں وہ اصطلاح اسی معنیٰ میں استعمال کی جائے۔

۱۹۔ اقتباسات براہِ راست مطالعے کے بعد درج کیے جائیں۔ اقتباس پانچ سطور سے زائد نہ ہو تو اسے مقالے کے ہی خط کے مساوی لکھا جائے۔

۲۰۔ اقتباس اگر پانچ سطور سے زائد ہے، پھر اسے مقالے کے خط کی نسبت چھوٹے سائز ("۔۔۔") میں لکھا جائے۔

۲۱۔ شرمندگی سے بچنے کے لیے اقتباس اور حوالہ جات کے سرقے سے گریز کیا جائے۔

۲۲۔ کسی ایسے ماخذ سے استدلال جو خود کسی دوسرے ماخذ سے لیا گیا ہو اصل ماخذ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

۲۳۔ مقالے کی پروف ریڈنگ کسی ماہر سے کرائی جائے۔

۲۴۔ مقالے کے اختتام پر نتائج کو مدلل اور جامع انداز میں تحریر کیا جائے۔

۲۵۔ اگر ایک کتاب کا حوالہ دوبارہ لکھنے کی ضرورت پیش آئے، جو پہلے سے متصل ہو اس صورت میں مرجع سابق اور صفحہ نمبر لکھ دینا کافی ہے۔

۲۶۔ کسی آیتِ مبارکہ کے حوالے کے لیے پہلے سورت کا نام پھر Colon(:) اس کے بعد آیت کا نمبر درج کیا جائے۔

۲۷۔ کتابیات میں مؤلف کا نام، القابات، اس کے بعد کتاب کا نام، ناشر، سنِ اشاعت، صفحہ نمبر، مثلاً محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مئی ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۱۶۔

مفکرِ اسلام امامِ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت احمد رضا خاں محدث حنفی قادری برکاتی عالمِ اسلام بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عبقری فقیہہ، عظیم محدث، ممتاز مفسّر، ماہرِ تعلیم، ریاضی دان، سائنسدان، سیاست دان اور شاعرِ خوش نوا تھے۔ دنیا کے بیشتر زعما، برصغیر کے صدور، وزرائے اعظم، سپہ سالاران، اربابِ بست وکشاد، جج صاحبان اور جامعات کے شیوخ نے انھیں اتحادِ اسلام کا ہادی، عدم تشدد کا حامی عقیدۂ توحید کا سپاہی اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا داعی قرار دیا۔ امام احمد رضا نے مسلم معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی بڑی جدوجہد کی اور ان برائیوں کی نشان دہی کی جو منشائے شریعت کے خلاف تھیں۔ اور شرک و بدعت کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ ان کے شرعی فیصلوں، سائنسی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی نظریات سے استفادہ کیا جائے تو عالمِ اسلام میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (انٹرنیشنل) اس عظیم شخصیت اور اتحادِ عالمِ اسلام کے علم بردار کے افکارِ عالیہ کی اشاعت کے لیے ۱۹۸۰ء سے آج تک شب و روز کوشاں ہے۔ فقہ و تصوف کے مجمع البحرین حضرت رضا کے اسلامی افکار پر عالمِ اسلام کے ۳۰ زائد اسکالرز پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور متعدد پی ایچ ڈی زیرِ تکمیل ہیں۔ اسی طرح ۱۵/ اسکالرز ایم فل/ ایم ایس کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور متعدد/ ایم فل زیرِ تکمیل ہیں جبکہ ۲۰/ ایم ایڈ کے مقالات بھی لکھے جا چکے ہیں۔ یہ بات یقیناً عالمِ اسلام کے لیے فخر اور گینز بک آف ورلڈ ریکارڈز میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ ''معارفِ رضا'' بھی ادارے کے سلسلۂ اشاعت کی ایک کڑی ہے، جو باقاعدگی سے مقامی اور عالمی سطح پر امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا پر تحقیق کرنے والے اسکالرز اور محققین کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے۔ شیخ الاسلام کی خدمات سے آگاہی حاصل کرنے اور فروغِ رضویات کے سفر میں ادارے سے تعاون کے لیے زیادہ سے زیادہ افراد کو ''معارفِ رضا'' سے روشناس کرائیے۔


ISSN 2079-8563
سائنس نمبر
شمارہ: ۳۳-۳۴
معارفِ رضا
۱۴۳۴-۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۳-۲۰۱۴ء
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا
Raza Research Institute
www.imamahmadraza.net